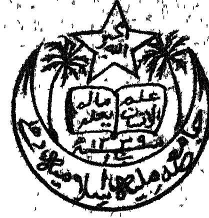


ضیاء الدین برنی

مصنف تاریخ فیروز شاہی

مصنفہ

سید حسن برنی۔ بی۔ اے، ایل ایل۔ بی۔ وکیل

مصنف البیرونی

سنہ ۱۹۳۰ء

مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی



ضیاء الدین برنی

مصنف تاریخ فیروز شاہی

مصنفہ

سید حسن برنی ۔ بی ۔ اے ، ایل ایل ۔ بی ۔ وکیل

مصنف البیرونی

سنہ ۱۹۳۰ء

مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ ۔ دہلی

ضیاءُ الدین بَرنی

مصنفِ تاریخ فیروز شاہی

سالہا سال سے میں ہندوستان کے سب سے پہلے ہندوستانی مورخ اور اپنے ہم وطن
بزرگ ضیاء الدین برنی مصنف تاریخ فیروز شاہی کے حالات زندگی اور اُسکی کتاب پر تبصرہ
لکھنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ سب سے پہلے میں نے اُس کی کتاب کا مطالعہ بزمانہ طالب علمی
۱۹۱۲-۱۹۱۳ء میں کیا تھا جبکہ میں نے انگریزی زبان میں علیگڈھ کالج کی "انجمن تاریخی
Historical Society" کے لئے ایک انعامی مضمون "مغلوں سے پہلے مسلمان
سلاطین دہلی کے نظام حکومت" کے متعلق لکھا تھا۔ مطالعہ کے دوران میں کچھ معلومات اُس
مورخ کے متعلق بھی فراہم ہوگئیں۔ اس کے بعد جب میں دفتر مسلم یونیورسٹی و دفتر کلیات
امیر خسرو کا مہتمم ہوا تو خسرو کی بعض کتابوں پر تنقید لکھنے اور خسرو کی سوانحمری تیار کرنیکے
خیال سے علاوہ دیگر تصانیف کے تاریخ فیروز شاہی بھی کئی برس زیر مطالعہ اور پیش نظر رہی
اس مطالعہ اور تحقیقات کی بدولت میرے پاس خسرو، اس کے معاصرین اور اُس کے
دور کے متعلق ایک معلومات اور تاریخی مواد کا انبار فراہم ہوگیا جو ابھی تک زیادہ تر مسودوں کی
شکل میں پڑا ہوا ہے۔ بالآخر اس اسکیم نے اسلامی تاریخ ہند کے اس مخصوص دور کی جامع تاریخ
کی شکل اختیار کر لی جسکا سیاسی مرکز علاء الدین خلجی کا عہد اور علمی و ادبی مرکز خسرو کی زندگی ہے جوں
جوں وقت گزرتا جاتا ہے میری آرزو بڑھتی جاتی ہے کہ وہ مواد جو کئی برس کی لگاتار محنت سے مطبوعہ
اور غیر مطبوعہ تاریخی و ادبی ماخذ سے حاصل کیا گیا ہے مرتب شکل میں آجائے میں نہیں کہہ سکتا
کہ میری یہ تمنا کب پوری ہوسکے گی۔ دس گیارہ برس سے وکالت کے مشاغل نے علمی انہماک

کو پست اور دماغ کو فرسودہ و درماندہ کر دیا ہے اور قلم بھی بہت کچھ اپنی جولانیوں کو بھول چکا ہے۔

حال ہی میں میں نے اُس انبار پر نظر ڈالی تو ارادہ ہوا کہ اُس سے استفادہ کر کے کوئی مضمون لکھا جائے۔ غور کرنے کے بعد "ضیاء الدین برنی" کو انتخاب کیا کہ وطنی تعلق سے خسرو کے معاصرین میں مقدم حق اسی مصنف کا ہے۔ ارادہ تو صرف ایک مختصر مضمون لکھنے کا تھا لیکن قلم ہاتھ میں لینے کے بعد یہ گوارا نہ ہوا کہ اپنے معیار کی رو سے مضمون کو تشنہ یا نامکمل چھوڑ دیا جائے۔ ایک ہی مبحث پر بار بار مطالعہ اور خامہ فرسائی کرنا بالعموم دشوار ہوتا ہے۔ میں نے بھی یہی چاہا کہ ضیائے برنی کے متعلق جو کچھ لکھنا ہے بجز اُن مخصوص مباحث کے جو موجودہ مضمون کے لئے زیادہ مناسب معلوم نہیں ہوئے اور جنکی تصریح موقع پر کر دی گئی ہے وہ سب ایک مرتبہ حوالۂ قلم کر دیا جائے تاکہ یہ مطالعہ ایک حد تک مکمل ہو جائے۔

ہندوستان کی تاریخ وسیع اور جامع نقطۂ نظر سے لکھی جانی باقی ہے۔ اُسی سلسلہ میں ہمارے قدیم مورخین کی قدر و قیمت کا منصفانہ اندازہ از سر نو کرنا ناگزیر ہے علمی اور تاریخی تنقید ترقی کر کے کہیں سے کہیں پہنچی ہے، اگرچہ ہماری نادار زبان اُن میدانوں سے ابھی بہت دور ہے ضیائے برنی کے لئے میں وطنی تعلق سے خاص محبت رکھتا ہوں اور شکر ہے کہ میں نے اُسکے حالات اور اُسکی کتاب کی تنقید جو عرصہ سے لکھنا چاہتا تھا اسوقت مکمل کر دی ہے۔ اس تعلق خاطر کے باوجود جو مجھے اس مصنف سے ہے میں نے اُسکی تصنیف کو ایک غیر جانبدار نقاد کی حیثیت سے جانچنے کی کوشش کی ہے۔ میں نے اُسکے نقائص کے ظاہر کرنے میں کوئی پس و پیش نہیں کیا ہے نہ اُسکے محاسن بتلانے میں کوئی کوتاہی کی ہے۔ جو کچھ لکھا ہے دیانت کو پیش نظر رکھا ہے کہ مورخ کا سب سے پہلا اور سب سے اخیر اور سب سے بڑا فرض راستبازی اور انصاف پسندی ہے۔ پھر بھی جہاں کہیں غلطی کی ہو ناظرین اُسے معاف فرمادیں۔

اس مضمون میں اکثر تاریخ فیروز شاہی کے حوالے دئے گئے ہیں، اختصار کے خیال سے کتاب کا نام بار بار نہیں لکھا گیا ہے حوالجات بلا قید کتاب صرف بقید صفحات

میں وہ اسی کتاب سے ہیں۔

تاریخ فیروز شاہی ایشیاٹک سوسائٹی بنگال نے سنہ ۱۸۶۲ء میں باہتمام سرسید احمد خاں مرحوم شائع کی تھی۔ اُسکا متن کسی صحیح نسخہ پر مبنی نہیں ہے اور اس میں بہت زیادہ غلطیاں پائی جاتی ہیں۔ ضرورت ہے کہ مختلف نسخوں سے مقابلہ کے بعد ایک مستند متن تمہید، تعلیقات اور فہرستہائے اعلام وغیرہ کے ساتھ شائع کیا جائے۔

(سید حسن برنی)

ضیاء الدین برنی مصنف تاریخ فیروز شاہی ہندوستان کا پہلا ہندوستانی مورخ ہے۔[1] ہندوستان میں تاریخ کا فن مسلمانوں کے ساتھ آیا۔ ضیائے برنی سے پہلے دو اور مورخ ہوئے ہیں جنہوں نے ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں کی تاریخ لکھی انمیں سے ایک کا نام صدر الدین محمد بن حسن نظامی نیشاپوری ہے۔ جو قطب الدین ایبک کے زمانہ میں ہندوستان میں آیا اور سنہ ۶۲۳ھ کے قریب زمانہ میں اُس نے اپنی کتاب تاج المآثر تصنیف کی جس میں غوریوں اور اُنکے جانشین سلاطین دہلی کے فتوحات التمش کے عہد تک درج ہیں۔ اُسکے بعد ابو عمر منہاج الدین عثمان بن سراج الدین الجوزجانی ہوا جس نے سلطان ناصر الدین محمود بن سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں ایک عام تاریخ لکھی جس میں ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں کا حال بھی ۶۵۸ھ (۱۲۵۹-۶۰ء) تک درج کیا۔ یہ دونوں مورخ جیسا کہ انکے ناموں سے بھی ظاہر ہے ہندوستان میں پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ باہر سے آئے تھے۔

حسن نظامی اور منہاج سے بھی پہلے غزنویوں کے دور میں ہندوستان کے متعلق جن مورخوں

---

(۱) برنی سے پہلے بعض مصنفین اور شعرا (مثلاً امیر خسرو) نے جو ہندوستان ہی میں پیدا ہوئے تھے بعض ایسی کتابیں لکھی تھیں جن سے تاریخی معلومات دستیاب ہوتی ہیں لیکن اُن مصنفین و شعرا کا نقطہ نظر ادب اور انشا پردازی ہے نہ کہ فی الواقع تاریخ۔ اس لحاظ سے بعض اوقات یہ کتابیں تاریخی تحقیقات کے لئے ناگزیر اور نہایت بیش قیمت ثابت ہوتی ہیں لیکن انہیں باضابطہ کتب تواریخ کہنا جائز نہیں۔ امیر خسرو کی تصانیف نظم و نثر بالخصوص قیمتی تاریخی معلومات سے مملو ہیں۔ لیکن انکا انداز بیان بھی شاعرانہ و ادیبانہ ہے۔

نے کچھ لکھا تھا، وہ بھی ہندوستان کے نہ تھے۔ ابوریحان البیرونی[1] (متوفی ۴۴۰ھ/۱۰۴۸ء) صاحب کتاب الہند اور ابوالفضل بیہقی (متوفی ۴۷۰ھ/ ۱۰۷۷ء) صاحب تاریخ بیہقی (یا مجلدات بیہقی) اور ابو نصر عتبی (متوفی بعد ۴۲۳ھ/۳۰-۱۰۲۹ء) صاحب تاریخ یمینی وسط ایشیا کے رہنے والے تھے۔ اور گو ان مورخین کا تعلق ہندوستان کی تاریخ سے بھی ہے لیکن ظاہر ہے کہ وہ کسی طرح ہندوستانی مورخ کہلائے جانے کے مستحق نہیں ہیں۔

ضیائے برنی جیسا کہ اُس کے نام سے ظاہر ہوتا ہی برن میں پیدا ہوا تھا جو ہمارے زمانہ میں بلند شہر کہلاتا ہی اور دوآب میں میرٹھ اور علیگڑھ کے مابین واقع ہے۔ آثار قدیمہ سے جو زمین کے نیچے سے برآمد ہوتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقام اُس زمانہ سے جبکہ بودھوں کو ہندوستان میں اقتدار اور عروج حاصل تھا آباد ہے۔ البیرونی نے کتاب الہند میں برن کا کہیں ذکر نہیں کیا ہی حالانکہ قرب وجوار کے بعض مقامات کا ذکر موجود ہی۔ عتبی نے ۴۰۹ھ/ ۱۹-۱۰۱۸ء کے واقعات میں محمود غزنوی کے ہاتھوں ایک قلعہ کی فتح کا تذکرہ کیا ہے، جس کا تلفظ مشتبہ ہے، لیکن بعض بعض محققین (مثلاً سرہنری ایلیٹ[2] Sir Henry Eliot) نے برن پڑھا ہے اور محل وقوع کے لحاظ سے برن سے مطابق ہوتا ہی۔ عتبی کے بیان سے معلوم ہوتا ہی کہ اُس زمانہ میں یہ مقام ایک ہندو ریاست کی راجدھانی کی حیثیت رکھتا تھا۔ بعد کے زمانے میں محمد غوری کی فتوحات کے وقت برن کا قلعہ دوآب کے مضبوط قلعوں میں شمار ہوتا تھا اور راجہ بھیم سین ڈور کا دارالحکومت تھا یہ قلعہ خود محمد غوری کے ہاتھوں فتح ہوا۔ ہمارے پاس اصلی فرمان بطغرائے "ابوالمظفر سلطان محمد بن سام ناصر امیر المومنین" محفوظ ہے جس میں اس قلعہ کی فتح اور انتظامات مابعد کے حالات درج ہیں۔ انشاءاللہ کسی وقت اس بے نظیر شاہی فرمان کا عکس اور اُس پر تبصرہ ناظرین کی خدمت میں پیش کریں گے۔ طبقات ناصری میں بھی برن

---

(۱) البیرونی کے حالات اور اسکی تصانیف کی مفصل تنقید کے لئے دیکھو ہماری کتاب البیرونی مطبوعہ انجمن ترقی اردو طبع دوم ۱۹۲۷ء

(۲) دیکھو تاریخ ہند مرتبہ ایلیٹ وڈوسن جلد دوم صفحہ ۴۲

کا ذکر کئی جگہ آیا ہے۔ سلطان شمس الدین التمش بھی تخت نشینی سے پہلے برن کا عامل رہا تھا چنانچہ اُس کے زمانے کے کچھ ٹوٹے پھوٹے کتبے جن کا خط قطب مینار اور مسجد قوت الاسلام کے کتبات کے خط سے ملتا ہے ابتک بلند شہر کی عیدگاہ میں نصب ہیں۔

برن کی فتح کے بعد حسب معمول چند شریف خاندان جن سے اُس زمانہ میں زیادہ تر شیوخ وسادات سے مراد ہوتی تھی، اس مقام پر آباد ہوئے جنہیں مختلف مناصب اور عہدے دئے گئے ان میں بعض خاندان اور انکے نسب نامے ہمارے زمانہ تک محفوظ ہیں۔

ضیائے برنی نے اپنی تاریخ میں کہیں کہیں ضمناً اپنا اور اپنے خاندان کا ذکر کیا ہے گو ان بیانات سے اُسکے اور اُس کے خاندان کے حالات پر روشنی پڑتی ہے لیکن اکثر وہ مزید تصریحات کے محتاج ہیں اس کے معاصرین میں یا یہ کہنا چاہئے کہ اُن مصنفین میں جو اُسے ذاتی طور پر جانتے تھے سید محمد مبارک العلوی الکرمانی المدعو بامیر خورد صاحب سیر الاولیا ہے جس نے اپنی کتاب خواجگان چشت بالخصوص شیخ نظام الدینؒ اور شیخ مذکور کے مریدین و معتقدین کے حالات لکھے ہیں۔ اس نے ضیائے برنی کا بھی تذکرہ بحیثیت شیخ کے یاران اعلیٰ کے درج کیا ہے جس سے بعض مفید معلومات دستیاب ہوتی ہیں بعد کے مصنفین (مثلاً شیخ عبدالحق صاحب اخبار الاخیار) نے اسی تذکرہ سے ضیائے برنی کے حالات لئے ہیں۔ لیکن میر خورد بھی اُسکے خاندان کے متعلق بجز اسکے کہ ضیائے برنی کا باپ ایک معزز خاندان (دودمان بزرگ) سے تھا اور کچھ نہیں بتاتا (دیکھو سیر الاولیا مطبوعہ مطبع محب ہند دہلی ۱۳۰۲ھ صفحہ ۳۱۲) ایسی حالت میں باوجود کوششوں کے ہم اس بات کو ثابت نہیں کر سکتے کہ ضیائے برنی کا اُن شریف خاندانوں میں سے جو محمد غوری کی فتح کے بعد برن میں آباد ہوئے کس خاندان سے تعلق تھا اور اُس کے آباو اجداد برن میں کہاں سے آئے اور کس سنہ میں آباد ہوئے۔

ایک بات ضیائے برنی کے بیانات سے ثابت ہے۔ اُسکا جدی سلسلہ سادات سے تعلق نہیں رکھتا تھا لیکن اسکی ماں اور دادی سیدانیاں تھیں۔ یہ بھی ثابت ہے کہ اُسکا خاندان نہایت معزز خاندان تھا اور اگرچہ اسکی تصریح نہیں پائی جاتی لیکن اس خیال سے کہ ماں اور دادی سیدانیاں تھیں ہمارا یقین ہے کہ

وہ نسبًا شیخ تھا۔

ضیائے برنی نے اپنے دادا کا نام نہیں لکھا ہو لیکن یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ وزرائے شاہی میں شمار ہوتا تھا۔ ایک موقع پر سلطان علاء الدین خلجی نے ضیائے برنی کے چچا علاء الملک کو اپنے امراء کے سامنے "وزیرزادہ" بیان کیا ہے (صفحہ ۲۵۰) اور خود ضیائے برنی اپنے باپ کے متعلق لکھتا ہو:-

"پدر ایں ضعیف شریف بود" (صفحہ ۳۵۰)

ضیائے برنی کے باپ کا نام موید الملک تھا جو فی الواقع اصلی نام نہیں بلکہ شاہی خطاب معلوم ہوتا ہو اسی طرح موید الملک کا بھائی علاء الملک تھا جس نے علاء الدین خلجی کے زمانہ میں بڑا عروج حاصل کیا۔ موید الملک اور علاء الملک کا نانا سپہ سالار حسام الملک تھا جو بلبن کے عہد میں ابتدائً "وکیل دربار سلطانی" کے عہدہ پر فائز تھا (صفحہ ۱۴) اور بعد میں فتح بنگال کے وقت سلطان بلبن نے بنگال کے دارالسلطنت لکھنوتی کی شحنگی اُسکے سپرد کردی تھی۔ خود بلبن لشکر کشی کے لئے آگے بڑھ گیا اور حسام الملک کو ہدایت کر گیا کہ دہلی کے حالات اور ملوک و امرائے دہلی کی عرضداشتیں وصول کرکے بادشاہ کے پاس بھیجتا رہے (صفحہ ۸۰)

ضیائے برنی کی ماں سید جلال کیتھلی کی بیٹی تھی۔ اُس زمانہ میں کیتھل (واقع ضلع کرنال پنجاب) کے سادات بڑے مستند سمجھے جاتے تھے۔ ضیائے برنی لکھتا ہے:-

"و بزرگی سادات کیتھل و صحت نسب ایشاں از شاہیر است۔ و پدر مولّف نبیرۂ دختریں سید جلال الدین کیتھلی است، و سید جلال الدین از عظام و کرام ساداتِ کیتھل بودہ است۔ و پدر ایں ضعیف شریف بود، وجدۂ ایں ضعیف سیدہ صاحبۂ کشف و کرامت بودہ است و چندیں عفائف را کرامت در مشاہدہ شدہ" (صفحہ ۳۵۰)

ضیائے برنی کا باپ موید الملک ابتداءً جلال الدین خلجی کے عہد میں اُسکے منجھلے بیٹے ارکلی خاں کا نائب تھا اور ضیائے برنی کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ ضیائے برنی کی طفولیت کا زمانہ سن شعور سے دہلی میں گذرا۔ اُسکا باپ کیلوکھری میں جو شہر نو بھی کہلاتا تھا (اُس نواح میں واقع تھا جہاں آجکل ہمایوں کا مقبرہ ہو) ایک عالیشان مکان میں رہتا تھا۔ معزالدین کیقباد نے اپنے زمانہ میں ایک خوشنما محل

تعمیر کیا تھا، جو کیلوکھری میں واقع تھا اور جلال الدین خلجی نے کیلوکھری کو اپنا پایہ تخت قرار دے رکھا تھا جس کی وجہ سے وہ روز افزوں آبادی اور رونق پر تھا۔ درباری تعلق کے باعث موید الملک نے بھی اپنا مکان کیلوکھری میں بنا رکھا تھا۔ ضیائے برنی لکھتا ہے :۔

"چنانکہ مولف ام در عہد جلالی پدرم نائب ارکلی خاں بود و خانہ در کلوکھری پس بلند در فیح برآوردہ من از آنجا با اوستادان در قیقان بزیارت سیدی مولہ می آمدم" (صفحہ ۲۰۹)

عہد جلالی میں ضیائے برنی کا چچا علاء الملک، علاء الدین خلجی کے مصاحبین و معتمدین خاص میں سے تھا چنانچہ جب علاء الدین دکن کی سب سے پہلی مہم فتح دیوگیر کے لئے اپنے صدر مقام کڑہ سے روانہ ہوا تو کڑہ اور اودھ کا تمام انتظام علاء الملک کے ہاتھ میں دے گیا۔

" و در غیبت خود نیابت کڑہ و اودھ بعم مولف ملک علاء الملک کہ از مختصان او بود تفویض کرد (صفحہ ۲۲۲)

جلال الدین خلجی کے قتل میں علاء الدین کے ساتھ علاوہ اُس کے چند دیگر مصاحبین خاص کے علاء الملک بھی شریک تھا۔ تخت نشینی کے بعد علاء الدین نے علاء الملک اور موید الملک کو اعلیٰ مناصب دیے۔ موید الملک برن کا عامل مقرر ہوا (صفحہ ۲۴۸) اور علاء الملک کو کڑہ سے بلا کر دہلی کا کوتوال مقرر کیا گیا (صفحہ ۲۴۹-۲۵۰)

علاء الملک نہایت موٹا تازہ آدمی تھا۔ فربہی کی وجہ سے علاء الدین نے اُسے وزارت نہیں دی لیکن اپنے تمام وزراء اور مصاحبین میں اسکی بڑی عزت کرتا اور اسکے مشوروں کو خاص وقعت دیتا تھا بعض اوقات اُسکے مشورہ پر اپنے بڑے سے بڑے ارادہ کو تبدیل کر دیتا تھا۔ علاء الملک بھی ہمیشہ صاف گوئی اور جرأت سے کام لیتا تھا۔ ضیائے برنی نے لکھا ہے کہ اپنے ابتدائے عہد سلطنت میں علاء الدین بعض عجیب و غریب خیالات اپنے ذہن میں قائم کئے ہوئے تھا جنکا وہ اپنے امرا و مصاحبین کے روبرو اظہار کیا کرتا تھا لیکن اُسکے خوف سے کوئی اسکے خیالات کی تردید یا اصلاح کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ وہ نبوت کا دعوےٰ کرنے اور سکندر کی طرح عالمگیر فتوحات حاصل کرنیکا خیال رکھتا تھا۔ علاء الملک نے نہایت دلیری کے ساتھ متنبہ کرکے اُسے ان ناقابل عمل اور فاسد خیالات سے باز رکھا اور اسکی توجہ ہندوستان کے ملکی اور فوجی انتظامات و اصلاحات کی طرف

بائل کی (صفحہ ۲۶۳ - ۲۷۲)

علاء الدین اکثر افسوس کیا کرتا تھا کہ فربہی کی وجہ سے علاء الملک کو وزارت نہیں ملی۔ ایک موقع پر جبکہ مغلوں نے ہندوستان پر لشکر کشی کرکے دہلی کو آگھیرا تھا اور بڑا ہنگامہ برپا تھا اور ہندوستان کی اسلامی سلطنت معرض خطر میں تھی، علاء الملک نے علاء الدین کو بذات خود فوج کی سپہ سالاری کرنے سے منع کیا۔ علاء الدین جوکہ اول درجہ کا سپاہی اور بہادری اور سخت دلی میں دنیا کے معدودے چند انسانوں میں شمار کئے جانے کے قابل ہے، علاء الملک کی اس نصیحت پر عامل نہیں ہوا۔ باوجود اس کے اس نے علاء الملک کی خیر خواہی کا احسان مندی کے ساتھ اعتراف کرتے ہوئے اپنے امرا کو مخاطب کرکے حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ علاء الملک کی کس قدر عزت کرتا تھا:-

"شما می دانید کہ علاء الملک وزیر و وزیر زادہ است و بار را بندۂ مخلص و ہوا خواہ است و از ایام ملکی الی یومنا ہیش بارائے زنی کردہ است و ما بسبب فربہی او را کوتوالی دادہ ایم و الا حق او وزارت است" (صفحہ ۲۵۹)

آخیر میں علاء الملک کو مخاطب کرکے کہا:-

"تو مرحے نویسندہ و نویسندہ زادہ۔ ہر آئینہ در دل تو از نہا گذرد کہ پیش من گفتی ..... فاما ایں حالتے پیش آمدہ است کہ عقل را در گوشہ می باید نہاد، وجز خونریزی و خون ریختن و از بہر جان خود بر خاستن و تیغہا برہنہ کردن و با خصماں در آویختن کارے و اندیشۂ دیگر نمی باید کرد" (صفحہ ۲۵۹)

اس محاربۂ عظیم کے لئے روانہ ہوتے وقت علاء الدین نے دار الملک دہلی اور اپنے عیال و اطفال کو علاء الملک کے سپرد کیا:-

"و در ان ایام عم مولف ملک علاء الملک کہ از مختصان و راے زنان سلطان علاء الدین بود و کوتوالی دار الملک دہلی داشت سلطان شہر و حرم و خزاین را بدو سپردہ بود و بر قصد حرب بزرگ از شہر بیروں آمد ...." (صفحہ ۲۵۷)

یہ بات بالتحقیق معلوم نہیں ہوتی کہ موید الملک اور علاء الملک کا انتقال کس سنہ میں ہوا لیکن عہد علائی کے مابعد کے واقعات میں ان دونوں کا ذکر نہیں پایا جاتا، البتہ یہ ثابت ہے کہ علاء الملک کا عہد علائی کے ابتدائی تین چار برس کے اندر ہی انتقال ہوگیا تھا۔ چنانچہ ضیائے برنی لکھتا ہے:۔

"و اتابکان نصرت خان ظفر خان و الپخان و ملک علاء الملک عم موئف و ملک فخر الدین خلوداد و ملک اصغری سر دواتدار و ملک تاج الدین کافوری کہ عمدۂ مملکت علائی بودند و ہر یکے در پرداخت امور عظام ملکی نظیر خود نداشتند و از روئے ظاہر بینش آدمی زاد ایشاں در قتل و فریب سلطان جلال الدین باجمث و یار بودند لاجرم از ملک علائی برخورداری نیافتند و بر سہ گان و چہارگان سال خرامیدند۔ فاما ایشاں در کارگذاری و کاردانی از آنہا بودند کہ بیک نگام زیر ایشاں ملکے و اقلیمے بدست آید و بیک رائے و رویت ایشاں فتنۂ حادث گشتہ مندفع گردد" (صفحہ ۳۳۶-۳۳۷)

ضیاء الدین برنی نے اپنی تاریخ ولادت کسی جگہ بیان نہیں کی، نہ میر خورد یا کسی اور تذکرہ نویس نے لکھی ہے۔ البتہ ضیائے برنی نے فیروز شاہی کی تصنیف کے وقت اپنی عمر ۷۴ سال بتائی ہے (صفحہ ۳، ۵) یہ کتاب ۷۵۸ھ میں لکھی گئی تھی۔ اس طرح ضیائے برنی کا سال ولادت ۶۸۴ھ بعہد سلطان غیاث الدین میں ہوتا ہے۔

جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ اس کا مقام ولادت برن تھا، لیکن وہ اوائل عمر ہی سے اپنے باپ کے ساتھ جو ملازمت شاہی کا تعلق رکھتا تھا دہلی آگیا تھا۔

کیقباد کے عہد میں وہ خورد سال تھا، جلال الدین خلجی کے عہد میں وہ سن شعور کو پہنچا اور اسی عہد میں اس کی تعلیم شروع ہوئی۔ اس نے اپنی تعلیم کے تفصیلی حالات تو بیان نہیں کئے، نہ یہ بتایا ہے کہ اس نے کون کون سے علم میں کن کن اساتذہ سے درس لیا، البتہ اپنے اساتذہ کے متعلق اس نے لکھا ہے کہ وہ علامہ روزگار تھے۔ (صفحہ ۱۲۷)

ضیائے برنی کا یہ لکھنا داخل مبالغہ نہیں معلوم ہوتا۔ مغلوں کی یورش اور تسلط کی وجہ سے بلبن

ہی کے عہد سے وسط ایشیا کے بڑے بڑے فضلا ہندوستان میں آنے لگے تھے اور اکثر دہلی میں مقیم ہونے لگے تھے۔
عہد جلالی میں ضیائے برنی نے قرآن ختم کیا اور خط سیکھا۔

"من کہ مولف تاریخ فیروزشاہی ام در عہد جلالی قرآن تمام کردہ بودم و از مفردات گذشتہ و خط آموختہ" (صفحہ ۲۰۵)

بقیہ تعلیم علاءالدین کے عہد میں مکمل ہوئی۔ ضیائے برنی نے عہد علائی کے حالات میں ۴۶-۴۷ اُستاد گنائے ہیں، جن میں سے بعض سے اُس نے تلمذ کیا تھا، بعض کی خدمت میں پہنچا تھا، اور بیشتر کو مسند افادت یا مجالس میں دیکھا تھا۔ ہر چند کہ ان اساتذہ کے حالات اُس نے نہیں لکھے لیکن اس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام اپنے زمانہ کے نہایت بلند پایہ فضلا تھے۔

"و در تمامی عصر علائی در دار الملک دہلی علمائے بودند کہ آنچناں استاداں کہ ہر یکے علامۂ وقت بود در بخارا و در سمرقند و بغداد و مصر و خوارزم و دمشق و تبریز و سفاہان و رے و روم و در ربع مسکون نباشند و در ہر علمے کہ فرض کنند از منقولات و معقولات و تفسیر و فقہ و اصول فقہ، و معقولات، و اصول دین و نحو و لغت و معانی و بدیع و بیان و کلام و منطق موے می شگافتند و ہر سالے چندیں طالبان علم از اں استاداں سر آمدہ بدرجہ افادت می رسیدند و مستحق جواب دادن فتوے می شدند و بعضے ازاں استاداں در فنون علم و کمالات علوم بدرجہ غزالی و رازی رسیدہ بودند" (صفحہ ۳۵۲-۳۵۳)

"من در پیش بعضے تلمذ کردہ ام و بخدمت بعضے رسیدہ و بیشترے را در مسند افادت و در مجالس و محافل دیدہ" (صفحہ ۳۵۴)

افسوس ہے کہ ضیائے برنی نے علمی اور ادبی تاریخ کو محفوظ رکھنے کی طرف پوری توجہ نہیں کی اور ہم اُس دور کے اکثر وابستگان علم کے متعلق انکے ناموں سے زیادہ کچھ نہیں جانتے۔ ہم سب نام نقل کر دیتے ہیں گو بدقسمتی سے متن کی خرابی کی وجہ سے بعض نام صحیح نہیں معلوم ہوتے۔ نسبتوں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے کافی تعداد میں ہندوستان ہی کے رہنے والے تھے اور فتح دہلی سے ایک صدی کے

اندرہندوستان نے اسلامی تعلیم و تعلم میں اچھی ترقی کرلی تھی۔ ان میں سے مولٰنا افتخار الدین برنی ضیائے برنی کے ہموطن تھے:۔

(۱) قاضی فخر الدین ناقلہ (۲) قاضی شرف الدین سرباہی (؟) (۳) مولانا نصیر الدین غنی (۴) مولانا تاج الدین مقدم (۵) مولٰنا ظہیر الدین لنگ (۶) قاضی مغیث الدین بیانہ (۷) مولٰنا رکن الدین شامی (۸) مولٰنا تاج الدین کلاہی (۹) مولٰنا ظہیر الدین بھکری (۱۰) قاضی محی الدین کاشانی (۱۱) مولٰنا کمال الدین کولی (۱۲) مولٰنا وجیہ الدین بائلی (۱۳) مولٰنا منہاج الدین قاینی (؟) (۱۴) مولٰنا نظام الدین کلاہی (۱۵) مولٰنا نصیر الدین کٹرہ (۱۶) مولٰنا نصیر الدین صابونی (؟) (۱۷) مولٰنا علاء الدین تاجر (۱۸) مولانا کریم الدین جوہری (۱۹) مولٰنا حجت ملتانی قدیم (۲۰) مولٰنا حمید الدین مخلص (۲۱) مولٰنا برہان الدین بھکری (۲۲) مولٰنا افتخار الدین برنی (۲۳) مولٰنا حسام الدین سرخ (۲۴) مولٰنا وحید الدین ملھور (۲۵) مولٰنا علاء الدین کرک (؟) (۲۶) مولٰنا حسام الدین ابن شادی (۲۷) مولٰنا حمید الدین بنیانی (۲۸) مولٰنا شہاب الدین ملتانی (۲۹) مولٰنا فخر الدین ہانسوی (۳۰) مولٰنا فخر الدین سناقل (؟) (۳۱) مولٰنا صلاح الدین سترکی (؟) (۳۲) قاضی زین الدین ناقلہ (۳۳) مولٰنا وجیہ الدین رازی (۳۴) مولٰنا علاء الدین صدر الشریعہ (۳۵) مولٰنا میران ماریکلہ (۳۶) مولٰنا نجیب الدین ساوی (۳۷) مولٰنا شمس الدین ثم (؟) (۳۸) مولٰنا صدر الدین گندھک (؟) (۳۹) مولٰنا علاء الدین نوتیوری (۴۰) مولٰنا شمس الدین یحیٰی (۴۱) قاضی شمس الدین گاذرونی (۴۲) مولٰنا صدر الدین تاوی (؟) (۴۳) مولٰنا معین الدین لونی (۴۴) مولٰنا افتخار الدین رازی (۴۵) مولٰنا معز الدین اندپتی (؟) (۴۶) مولٰنا نجم الدین انتشار (۴۷) مولٰنا علم الدین نبیرہ شیخ بہاء الدین ذکریا۔

اس میں کوئی کلام نہیں ہے کہ ہندوستان کے سلاطین تیموریہ سے پہلے عہد علائی سے بڑھکر کوئی زمانہ علمی و سیاسی حیثیت سے ممتاز نہیں رہا۔ خدا کی شان ہے ان دونوں دوروں کے دوسب سے بڑے فرمانروا علاء الدین خلجی اور جلال الدین اکبر قطعاً ناخواندہ تھے۔ ان دونوں بادشاہوں کے مزاجوں اور طبیعتوں میں بعد المشرقین ہے، لیکن دونوں جاہل بادشاہوں کے زمانہ میں علمی و ادبی ترقیاں غیر معمولی حیثیت رکھتی ہیں۔

بلاشبہ ضیاء الدین برنی کو تعلیم کے لئے بہت اچھا زمانہ نصیب ہوا۔ اُس کے خاندان میں پہلے ہی سے لکھنے پڑھنے کا رواج تھا اور اُسکا باپ اور اُسکا چچا دہلی کے سربرآوردہ امراء میں شمار ہوتے تھے۔ اس وجہ سے اُسے ہر قسم کی سہولتیں میسر تھیں۔

اُسکی تعلیم زیادہ تر مذہبی ہوئی اور اُس کے اوپر بچپن ہی سے تصوف کے خیالات کا گہرا اثر پڑا۔ وہ بچپن میں بھی فقیروں سے ملنے کا شائق رہتا تھا۔ سب سے زیادہ اُس پر سلطان المشائخ شیخ نظام الدین رح کا اثر تھا، جن سے اپنے باپ کے توسط سے ابتدائی عمر ہی سے ارادت حاصل ہوگئی تھی۔ یہانتک کہ وہ بالآخر غیاث پور میں جہاں شیخ موصوف رہتے تھے۔ سکونت پذیر ہوگیا اور شیخ موصوف کے مقربین خاص میں شمار ہونے لگا۔ میر خورد لکھتا ہے:۔

"از ابتدائے بواسطۂ شفقت پدر بزرگوار کہ از دودمان بزرگے بود، بسعادت ارادت سلطان المشائخ مشرف گشت و سر اخلاص بر آستانہ آسمان سائے سلطان المشائخ نہادہ در غیاث پور ساکن شد و بخدمت سلطان المشائخ محلے و قربتے تام یافت، چنانکہ در حسرت نامہ خود کنایت کردہ است" (سیر الاولیا صفحہ ۳۱۲ - ۳۱۳)

اُس نے اپنے عہد کے مشائخ کا خصوصیت اور عقیدت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اخیر عہد جلالی میں ایک فقیر سیدی مولہ تھا، جس نے بڑا رسوخ اور اقتدار حاصل کیا تھا۔ عوام الناس کے علاوہ امراء اور اکابر کا اُس کے یہاں مجمع رہتا تھا۔ بادشاہ کو کسی نے اُس کی طرف سے مشتبہ کردیا کہ اُسکے یہاں بادشاہ کے خلاف باغیانہ سازشیں ہوتی ہیں۔ اسی شبہ میں اُسے مروا ڈالا۔ ضیاء برنی بھی اس فقیر کو دیکھنے جایا کرتا تھا اور اُس نے اس فقیر کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں (صفحہ ۲۰۸ - ۲۱۲)

"منکہ مولف ام در عہد جلالی پدرم نائب ارکلی خاں بود، وخانہ در کیلوکھری بس بلند و رفیع برآوردہ۔ من از انجا با اوستادان و رفیقاں بزیارت سیدی مولہ می آمدم، و او را زیارت کردہ ام و ہم لقمہ شدہ ام" (صفحہ ۲۰۹)

اس فقیر کے قتل کے بعد بعض غیر معمولی واقعات پیش آئے اور کچھ زیادہ عرصہ نہیں گذرا کہ جلال الدین

اور اُسکا خاندان علاءالدین کے ہاتھوں نیست و نابود ہو گئے ان تمام واقعات کو ضیاءالدین برنی کی ذہنیت سیدی مولہ کے خون ناحق کا نتیجہ قرار دیتی ہے :-

"ومنکہ مولف ام یاد دارم کہ روز قتل سیدی مولہ بادے سیاہ برخاست، کہ عالم تاریک شد وبعد قتل سیدی مولہ ملک جلالی در فتور گرفت، کہ بزرگان گفتہ اند درویش کشتن شوم باشد وہیچ پادشاہ را نیکو نیامدہ است۔ وہم دراں نزدیکے کہ مولہ کشتہ شد امساک باراں شد و در دہلی قحط افتاد و غلہ بیک جیتل سیرے رسید، و در زمیں سوالک قطرہ باراں نچکید ہندواں آں زمیں با زن و بچہ در دہلی می آمدند، و بستگان و سی گان یکجا می شدند و در گرسنگی خود را در آب جون می انداختند و غرق می شدند۔ از سلطان و امرا نقراو مساکین صدقات بر سبیل روزمرہ می یافتند" (صفحہ ۲۱۲)

جہاں ضیاءبرنی کو علوم دینی اور تصوف کی طرف میلان خاص ہے وہیں علوم عقلی (فلسفہ وغیرہ) سے اُسے ایک گونہ نفرت ہے، جسکا اظہار اس نے جا بجا کیا ہے (صفحہ ۴۳ و ۶۵ ۴)

باوجود مذہبی اور صوفیانہ اثرات کے جو شروع سے اُس پر پڑے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ وہ جوانی کے زمانہ میں زندگی کی آزادیوں سے ناآشنا رہا، خود اُس کے بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ وہ دارالملک کی رنگین صحبتوں اور مجالس عیش و عشرت اور رقص و سرود میں عنفوان شباب ہی سے حصہ لیتا تھا۔ اور بڑھاپے میں اُن کی یاد اُسے بیچین کردیتی تھی۔ اُس نے عہد کیقباد، عہد جلالی اور عہد علائی کی عیش و عشرت مجالس رقص و سرود، ساقیاں ماہروا و مطربان خوشنوا کا تذکرہ بڑی دلچسپی کے ساتھ لکھا ہے[1]۔ ایک موقع پر وہ لکھتا ہے کہ خود اس کے یہاں بہت سے ارباب نشاط نوکر تھے، اور جوانی خوب عیش و عشرت میں گذرتی تھی:-

"درچنیں ہنگامیکہ از پیری و ضعیفی یک دنداں در دہم نماندہ است، و پریشاں خاطر و دشمن کام گشتہ ام و در الکدکوب دشمنان و حاسدان پست شدہ، جوانیہا از سرم یاد می آید،

(۱) دیکھو صفحہ ۱۵۶ و ۱۶۵ و ۱۹۹ و ۲۰۱ و ۳۶۵

و مجلسہا و عیشہائے گذشتہ کہ در میانِ عالی ہمتاں و بزرگ نشاں گذرانیدہ ام و در مجلس من خوبرویاں و خوب طبعان و ظریفان بے بدل و خوبرویان طاق و گلعذاراں سیمیں ساق و ساقیان سرو قد و امردان شکر لب و مطربان مستثنیٰ و غزلخوانان ممتاز بسیار بودندے در دلم می خلد، و امروز چہ از قحط طوائف مذکور و چہ از بے سیمی و بے زری در کنج محنت و گوشہ مذلت خوار و زار و بمقدار و بے خریدار ماندہ ام چہ کنم۔" (صفحہ ۱۶۵)

جلال الدین کی مجلسوں ساقیوں اور مطربوں کا تذکرہ لکھنے کے بعد اخیر میں لکھتا ہے:۔

" و من پیر گمراہ کہ در تیہ ناکامی متحیر گشتہ ام و نفسے و دمے ماندہ، در زمانے کہ وصف مجلس مذکورے نوشتم خواستم کہ بیاد آں جواناں جان نواز و آں مہ پیکراں ماہ ناز کہ بعضے از ایشاں را دیدہ بودم و ناز و کرشمہ ایشاں را دیدہ بودم و سرود ایشاں شنیدہ و باکوفتن ایشاں مشاہدہ کردہ زنار بربندم و ٹیکہ برہمنان در پیشانی لعنت خود کشم و روئے خود را سیاہ کنم و در تعزیت مصیبت آں شاہاں جہان حسن و آں آفتابان آسمان خوبی در کوچہ و بازار افتم و فضیحت و رسوا شوم و بعد شصت سال از فقدان ایشاں نوحہ کناں و جامہ دراں و سر و ریش بروم و در زیر پائے گور ایشاں جاں دہم۔" (صفحہ ۲۰۰)

ضیائے برنی کے حالات زندگی ہمیں بہت کم معلوم ہیں۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ اُس کا باپ کب تک برن میں عامل رہا اور اُس زمانہ میں ضیائے برنی کہاں رہا۔ عہد جلالی کے اختتام پر اس کی عمر گیارہ برس کی تھی۔ عہد علائی میں اُس کے عنفوان شباب اور جوانی کے ایام گذرے اور اسی زمانہ میں اُس نے تعلیم پائی۔ ہم نہیں بتا سکتے کہ محمد تغلق کے عہد تک اسکا کیا شغل رہا، صرف اس قدر معلوم ہے کہ وہ دارالسلطنت کی بہترین صحبتوں میں حصہ لیتا تھا اور اُس عہد کے سرآوردہ اشخاص سے تعلقات رکھتا تھا۔ اُس نے خصوصیت کے ساتھ امیر خسرو اور حسن علائے سنجری کے ساتھ اپنی دوستی کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ امیر خسرو اور حسن کے باہمی ملاقات اور دوستی کا باعث ضیائے برنی ہوا:۔

" و سالہا مرا با امیر خسرو و امیر حسن مذکور تودد و یگانگی بودہ است، و ایشاں بے صحبت من

بتوانستندے و نہ من توانستے کہ مجالست ایشاں راگذرانم، و از محبت من میاں ایشاں ہردو استاد قرابتے شد، و در خانہائے یکدگر آمد و شد کردن گرفتند" (صفحہ ۳۶۰)

علاء الدین کا عہد تاریخ کے اُن زمانوں میں ہے جو اپنے حالات کے لحاظ سے "عظیم الشان دور" کہلاتے ہیں اور جن کے اندر نامعلوم طریقوں سے بڑے بڑے واقعات رونما ہوتے ہیں اور بڑی بڑی شخصیتیں زندگی کے مختلف شعبوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ ان شخصیتوں کے اجتماع میں کسی اہتمام و قصد کو دخل نہ تھا نہ کی اپنے زمانہ میں پوری قدر ہوئی :۔

"چندیں اُستادان و ماہران ہر علمے و ہنرے در عصر علائی جمع شدہ بودند و دار الملک او از چناں بے نظیران عدیم المثال آراستہ و پیراستہ گشتہ، و اورا در اجتماع ایشاں ہیچ اہتمامے و قصدے نبودہ است، وحق استحقاق بے نظیری و بے بدلی ہیچ اُستادے و ماہرے نگذاردہ است" (صفحہ ۳۶۵)

خسرو کا ذکر ضیائے برنی نے جوش اور محبت کے ساتھ کیا ہے لیکن جو کچھ اس عجیب و غریب شخص کے متعلق لکھا ہے مبالغہ نہیں ہے :

"امیر خسرو کہ خسرو شاعران سلف و خلف بودہ است، و در اختراع معانی و کثرت تصنیفات و کشف رموز غریب نظیر خود نداشت، و اگر استادان نظم و نثر در یک و دو فن بے ہمتا بودند امیر خسرو در جمیع فنون ممتاز و مستثنیٰ بود۔ ہمچناں ذو فنونے کہ در جمیع منہائے شاعری بسر آمدہ و استاد ماشد در سلف نبود و در خلف تا قیامت پیدا آید یا نیاید۔ و امیر خسرو در نظم و نثر یک کتاب خانہ تصنیف کردہ است و داد سخنوری دادہ۔ و خواجہ سنائی مگر در حق امیر خسرو گفتہ است۔ بیت

بخدا ار بزیر چرخ کبودہ ہمچو او ہست و بود و خواہد بود

و مع ذلک الفضل والکمال والفنون والبلاغ۔ صوفی مستقیم الحال بود و بیشترے عمر او در صیام و قیام و تعبد و قرآن خوانی گذشتہ است، و بطاعات متعدبہ ولازمہ یگانہ شدہ بود

ودائم روزہ داشتے، واز مریدان خاصہ شیخ بود، وآنچناں مریدے معتقد من دیگرے را ندیدہ ام، واز عشق ومحبت نصیبے تمام داشت وصاحب سماع وصاحب وجد وصاحب حال بودہ در علم موسیقی گفتن وساختن کمالے داشت، وہر چہ نسبت بطبع لطیف وموزوں کنند باری تعالیٰ اورا دراں ہنر سرآمدہ گردانیدہ بود، ووجودے عدیم المثال آفریدہ ودر قرون متناظرہ از نوادر اعصار پیدا آوردہ" (صفحہ ۳۵۹)

اس کے بعد حسن کا تذکرہ اس طرح لکھا ہے :-

"اورا تالیفات نظم بسیار است وبسلاستی ترکیب وروانی سخن آیت بودہ است، واز بسکہ غزلہائے وجدانی ورعایت ردانی بسیار گفتہ است اورا سعدی ہندوستان خطاب شدہ بود، وامیر حسن مذکور با وصاف واخلاق مرضیہ متصف بودہ است وبعزت خدا وندان مکارم اخلاق کہ در لطائف وظرائف ومجلسہا واستخصار اخبار سلاطین واکابر وعلمائے بزرگ دہلی واستقامت عقل وزیرکی وزیست صوفیہ ولزوم قناعت، واعتقاد پاکیزہ وخوش گذرانیدن بے اسباب دنیا تجرد وتفرد از علائق دنیا ہچوں اوکسے را کمتر دیدہ ام ...... واز نہایت اعتقادے کہ امیر حسن بخدمت شیخ داشت آنچہ در مدت ارادت خود در مجالس شیخ از الفاظ شیخ شنیدہ است عین ملفوظ شیخ در چند جلد جمع کردہ است وآنرا فوائد الفواد نام نہادہ، و دریں ایام فوائد الفواد دستور صادقاں ارادت شدہ است وامیر حسن را نیز چند دیوان است وصحائف بہ نثر وتنویات بسیار است وچناں شیریں مجلس وظریف وخوش شباش ومزاجدان موودب ومہذب بود کہ مارا ستے و انسے کہ از مجالست او می شد از مجالست عیر او دنیا نتم" (صفحہ ۳۵۹-۳۶۰)

آدمی اپنے دوستوں سے پہچانا جاتا ہے، ضیائے برنی اپنے زمانہ کے بہترین اشخاص سے دوستی رکھتا تھا اور اس کی ذہنی تربیت پر انکا بڑا اثر پڑا۔

محمد تغلق (۷۲۵ھ ۱۳۲۴ء - ۷۵۲ھ ۱۳۵۱ء) دنیا کے عجیب ترین بادشاہوں میں ہوا ہے، جس کے اوصاف متضادہ اس کے معاصرین ونیز مورخین مابعد کی حیرت کا باعث ہیں۔ ضیائے برنی اپنی لطافت طبع اور

مہارت فن ندیمی کی بدولت اس بادشاہ کے مقربین خاص میں داخل ہوا اور سترہ اٹھارہ برس اُس کی صحبت وتقرب میں گذارے۔ میر خورد لکھتا ہے :-

"بواسطۂ لطافت طبع کہ در زمان خویش در فن ندیمی زیر کبودیِ آسمان مثل نداشت، بخدمت سلطان محمد . . مُمکّن و مبجّل گشت واز دولت او ازیں دنیائے غدار و مکار بیوفا حظے وافر نصیبے کامل گرفت" (صفحہ ۳۱۲ سیر الاولیا)

ضیائے برنی نے کئی موقعوں پر محمد تغلق کے عہد میں اپنا ذکر کیا ہے، اس کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ محمد تغلق اس پر بہت زیادہ مہربان تھا اور اُس پر نہایت اعتماد کرتا اور سلطنت کے پیچیدہ معاملات میں مشورہ لیتا تھا۔

"من در دنیا پروردہ و برآوردہ سلطان محمد ام، وآنچہ از اکرام وانعام دیافتہ بودم نہ پیش ازاں دیدہ بودم نہ بعد از و بخواب می بینم" (صفحہ ۴۹۷)

ایک دوسرے موقع پر لکھتا ہے :-

"ومن کہ مولف تاریخ فیروز شاہیم ہفدہ سال وسہ ماہ ملازم درگاہ سلطان محمد بودم وانعامات وافرہ وصدقات متواترہ وزر ہا یافتہ از مشاہدۂ اوصاف متضادۂ آں بادشاہ کہ از عجائب عالم آفرینش در وجود آمدہ بود متحیر می مانم" (صفحہ ۵۰۴)

ایک دفعہ سلطان نے جبکہ اُس کے اخیر عہد میں چاروں طرف سے شورشیں اور بغاوتیں بپا تھیں جن کی وجہ سے نہایت متردد رہتا تھا اور اُس کی سمجھ میں کوئی تدبیر نہیں آتی تھی۔ ضیائے برنی کو رات کے پچھلے پہر بلاکر مشورہ کیا اور تدبیر دریافت کی۔

"دراں چہار پنج روز ماہ رمضان کہ سلطان محمد در قصبہ سلطان پور وقفہ کردہ بود در آخر شب داعی ضعیف ضیائے برنی را طلب شد و بندہ را سلطان فرمود کہ فلاں می بینی کہ چہ فتنہا می زاید . . . . بعد ازاں سلطان بندہ را فرمود کہ تواریخ بسیار خواندۂ جائے خواندہ کہ بادشاہاں در چند جرم سیاست کردہ اند" (صفحہ ۵۰۹)

بادشاہ کے دیانت کرنے پرضیائے برنی نے تاریخ خسروی کے حوالہ سے جمشید کا قول بیان کیا کہ سات موقعوں پر بادشاہوں کے لئے سیاست جایز ہے۔ اس فلسفہ تعزیرات کو جمشید کیطرف منسوب کیا گیا ہے لیکن ہمیں کوئی شبہ نہیں کہ وہ خود ضیائے برنی کے زمانہ کے فلسفہ سیاست و تعزیرات کو ظاہر کرتا ہے:۔

یکے آنکہ اگر یک از دین حق بگذرد و بر آں مصر ماند . . . .

دوم آنکہ ہر کہ یکے را عمداً از مطیعان بکشد . . . .

سوم آنکہ ہر کہ را زنے باشد و او بازن دیگرے سفاح کند . . . .

چہارم آنکہ ہر کہ با بادشاہ غدر اندیشیدہ و عذر او تحقیق شود . . . .

پنجم آنکہ ہر کہ سر عنہ بغی شود و بغی را مباشرت نماید

ششم آنکہ ہر کہ از رعیت پادشاہ یار دشمن و مخالف و ہمسر پادشاہ شود و او را برسانیدن صرد اسلحہ و خزاں مدد و معونت کند و مدد و معونت او محقق گردد

ہفتم آنکہ ہر کہ بیفرمانی بادشاہ کند، بیفرمانی کہ ثمرات بیفرمانی زیان ملک بادشاہ باشد نہ در بیفرمانیہائے دیگر . . . . .

"و در یں سیاست زیاں ملک شرط است، زیرا چہ بندگان خدائے خدا را بیفرمانی می کنند بادشاہ را کہ نایب اوست بیفرمانی کنند چہ شود، اما در بیفرمانی کہ دراں بیفرمانی زیاں ملک و دولت بادشاہ باز آرد، اگر بادشاہ درچنیں بیفرمانی سیاست نکند ملک را بباد دہد"

اس انتخاب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نظری حیثیت اُس دور کے اہل نظر جانتے تھے کہ "مفاد عامۃ" یا "مصالح خلق اللہ"، ہی پر بادشاہ کی تعزیری اختیارات مبنی تھے اور اُن سے متجاوز ہونیکا بادشاہ کو اختیار نہ تھا اصولاً اطاعت خدا کے لئے واجب سمجھی جاتی تھی۔ بادشاہ خدا کا نایب مانا جاتا تھا حقیقی اطاعت سوائے خدا کے بندہ کے لئے جایز نہیں مانی جاتی تھی، لیکن بادشاہ کو رعایا سے اطاعت کا حق اس وقت تک حاصل تھا جبتک کہ وہ مصالح ملکی کو پیش نظر رکھے۔ افسوس ہے کہ اس قسم کے نظریوں پر اُس زمانہ میں عمل نہیں ہوتا تھا اور مطلق العنان

بادشاہ نہایت غیر ذمہ دارانہ طور پر سلطنت کرتے تھے کوئی چون وچرا کرنے کا حقدار نہ سمجھا جاتا تھا اور اگر چون وچرا کرتا تھا تو گردن زدنی قرار پاتا تھا۔ خود محمد تغلق کی مثال ہمارے سامنے ہے وہ خونریزی اور جباری کا دیو مجسم تھا۔ ضیائے برنی نے اُسے جمشید کے الفاظ میں جتانا چاہا کہ بعض نافرمانی پر خلق اللہ کو قتل کر ڈالنا حق بجانب نہیں ہے مگر اُس پر اس نصیحت کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اور اُس نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ "یہ پہلے زمانے کی باتیں ہیں اب لوگ نہایت شریر اور فتنہ پرداز و مکار رہیں میں اس وقت تک خونریزی سے دست بردار نہ ہوں گا جب تک کہ یا میں نہ رہوں یا لوگ ٹھیک نہ ہو جائیں۔

"سلطان فرمود سیاستے کہ جمشید فرمودہ است آں در اول ازمنہ بودہ است و دریں عہد مردم شریر و بیفرماناں بسیار پیدا آمدہ . . . . . . با اندک بیفرمانی کہ از خلق صادر می شود ہم ایشاں را می کشم و ہم چنیں سیاست می کنم تا آں دم یا من تلف شدم و یا خلق راست ایستند و ترک بغی و بیفرمانی کنند" (صفحہ ۵۱۱)

ضیائے برنی نے اُسے یہ بھی سمجھایا کہ بادشاہ وزیروں کا انتخاب بھی اس غرض سے کرتے ہیں کہ وہ قوانین وضع کر کے بادشاہوں کو خونریزی سے محفوظ رکھیں، لیکن اس کا جواب سلطان محمد نے یہ دیدیا کہ مجھے ایسا وزیر نہیں ملتا جو ضوابط وضع کر سکے۔

"جمشید مذکور گفتہ است کہ پادشاہاں کہ وزیراں را گزیدہ اند . . . . سبب آں است کہ وزیراں در ملک پادشاہاں ضابطہا پیدا آوردہ اند و مستقیم گردانیدہ کہ از اعمال آں ضوابط دست پادشاہاں در خون ہیچ آفریدہ آلودہ گشتہ است سلطان فرمود . . . . من آں چناں وزیرے ندارم کہ در ملک من ضوابطے پیدا آرد کہ مرا دست بخون کش نباید آلود" (صفحہ ۵۱۱)

سچ ہے خوئے بدر ابہانہ بسیار۔ ایک دوسرے موقع پر جبکہ ضیائے برنی امرائے سلطنت کیطرف سے فتح دیوگر کی مبارکباد دے کر سلطان محمد تغلق کے پاس گیا ہوا تھا اور بادشاہ کے ہمرکاب بھروچ کیطرف جا رہا تھا بادشاہ نے سلطنت کی شوریدہ حالت بیان کر کے اس سے علاج دریافت کیا لیکن بیچارہ مورخ خوف کی وجہ سے بادشاہ کو نہ بتا سکا کہ یہ سب کچھ اُس کی سفاکیوں اور بیجا خونریزیوں کی وجہ سے تھا:۔

"ہم دراں ایام کہ سلطان محمد از گھٹی ساکوں فرود آمد و یک دو منزل سمت بھروچ قطع کرد از شہر (دہلی) بخدمت سلطان پیوستم و عرضداشت و خدمتی مبارکباد فتح دیوگیر کہ خداوند عالم بادشاہ عصر و زماں و ملک کبیر و احمد ایاز (وزیر) کہ از شہر بدست من فرستادہ بودند بخدمت سلطان رسانیدم و سلطان مرا بسیار نوازش فرمود۔

در روزے من در رکاب سلطان می رفتم و سلطان با من حکایت کناں می رفت کہ حکایت بغاۃ درمیان افتاد و سلطان مرا گفت کہ می بینی امیراں صدہ حرامخور چگونہ فتنہای انگیزند و اگر من یک جانب فراہم می آرم و شر ایشاں دفع می کنم از طرفے دیگر بلا می انگیزند کہ اگر من در اول بفرموے کہ بیکبارگی امیران صدہ دیوگیر و گجرات و بھروچ را از میاں بردارند چندیں در ماندگیہا از ایشاں مرا پیش نیامدے وہمیں طغی حرامخور را کہ غلام من است اگر من سیاست فرمودے یا او را بیادگار برپادشاہ عدل بفرستادمے ایں فتنہ و بغی از دو در وجود نیامدے و من نتوانستم کہ در بندگی سلطان عرضداشت کنم کہ ایں ہمہ بلا با و فتنہ ہا کہ از ہر جہار طرف میزاید و تنفر عام روی نمودہ است از نتیجہ کثرت سیاست سلطانی است کہ اگر سیاست را چند گاہ توقف دارند باشد کہ فراہمی پیدا آید و از سینہ خواص و عوام منفر کم شود۔ از تغیر مزاج سلطان بترسیدم و بھمن ندکورہ عرضداشت کردن نتوانستم و با خود گفتم با چہ حکمت است کہ ہماں چیزے کہ واسطہ خرابی و ابتری ملک گشتہ است در سینہ سلطان محمد از برائے فراہمی و التیامی ملک و دولت جلوہ می کند۔" (صفحہ ۵۱۶ ۔ ۵۱۷)

اخیر زمانہ میں جب کہ دکن میں حسن کانگو نے دیوگیر کو اپنے قبضہ میں کر کے دکن کی خود مختار بہمنی سلطنت کی بنیادیں ڈال دی تھیں سلطان محمد نہایت پریشان و حیران رہتا تھا، اُس نے پھر ایک مرتبہ ضیائے برنی کو بلا کر مشورہ طلب کیا، مورخ نے جو اصلی سبب جانتا تھا کنایتہً یہ مشورہ دیا کہ بادشاہ سلطنت سے دست بردار ہو کر گوشہ نشین ہو جائے اور کسی دوسرے کو سلطنت سپرد کر دے، لیکن سلطان محمد نے جواب دیا کہ وہ خود بھی اس قسم کا ارادہ رکھتا تھا لیکن قبل اس کے کہ وہ ایسا کرے وہ چاہتا ہے کہ تلوار سے لوگوں کو سیدھا کر لے!۔

"دوراں ایام کہ سلطان محمد از فتنہ دیگیر منقسم خاطر می بود روزے منکہ مولف تاریخ فیروزشاہیم در پیش تخت طلب شدم وسلطان ایں ضعیف رامی گفت کہ ملک امرض گشت وبہر تداوی مرض نمی رود . . . . . . ومرا فرمود کہ بادشاہان مقدم دریں امراض ملکی چہ فرمودہ اند۔ بندہ عرضہ داشت کردکہ در کتب تواریخ علاجے کہ بادشاہان متقدم امراض ملکی راکردہ اند بانواع نوشتہ اند، بعضے سلاطین چوں دیدہ اندکہ اعتماد رعایائے از ایشاں خاستہ است وتنفر عام بار آوردہ دریں صورت دست از جہانبانی برداشتہ اند وبہ پسرے از پسران شایستہ ہم در حیات خود بادشاہی تفویض فرمودہ . . . . . . واز جملہ امراض ملکی یک مرض بزرگ ومہلک تنفر خواص وعوام مملکت ونااعتمادی عامہ رعایاست۔ سلطان جواب فرمود کہ من می خواستم کہ اگر کارہائے ممالک من چنانچہ خواست دل من است فراہم آید ممالک دہلی رابدیں سہ کس یعنی بادشاہ عہد زمان فیروزشاہ سلطان وملک کبیر واحمد ایاز بسپارم ومن در خانہ کعبہ روم۔ فامادریں ایام من از خلق آزردہ شدم وخلق از من آزار گرفت . . . . علاج من درباب باغیاں وبیفرمانان ومخالفاں وبدخواہاں تیغ است . . . . (صفحہ ۵۲۲-۵۲۲)

اس ظالم مگر فیاض بادشاہ کے ساتھ نبھاؤ کرنا کچھ آسان کام نہیں تھا۔ ضیائے برنی نے جو اُسے بخوبی جانتا تھا اُس کی سیرت کی مکمل تصویر کھینچی ہے، اور اس کے بیانات کی تصدیق ابن بطوطہ کے بیانات سے پورے طور پر ہوتی ہے۔ وہ دنیا کے عجیب ترین اشخاص میں سے ہوا ہے، وہ نہایت عالی ہمت، سیر چشم، پابند مراسم مذہبی، مجتنب از ہمہ قسم فسق وفجور، فنون شہسواری وجوانمردگی میں طاق۔ اختراعات بذریعہ فراست ودرآیت، تقریر وتحریر، خوبی خط اور حافظہ میں ممتاز تھا، وہ علوم عقلی کا خاص طور پر دلدادہ تھا اور ضیائے برنی کی رائے میں معقولات کی شیفتگی اُس کی شقاوت وسفاکی کا باعث ہوئی ضیائے برنی لکھتا ہے:۔

"باچندیں فضائل بزرگی وسروری وعلو ہمت وفراست ودرایت وشجاعت وسخاوت وہنرمندی وخردمندی . . . . در عنفوان شباب ونگام فہم وادراک آں . . . . . را با سعد منطقی بدمذہب وعبید شاعر بد اعتقاد ونجم انتشار فلسفی صحبت ومجالست افتاد۔ آمد وشد مولانا علم الدین کہ اعلم

فلاسفہ بود در خلوت او بسیار شد۔ و آں نا جوانمرداں . . . . در مباحثہ و مکالمہ نشست و خاست علم معقولات را . . . . در خاطر سلطان محمد چناں نشانند کہ منقولات کتب سماوی و احادیث انبیا را . . . . چنانچہ باید و شاید جائے نماند۔ و ہر چہ برخلاف معمول بود نشنیدے یقین در خاطر مبارک او نہ نشستے . . . . . از جہت آں کہ معقولات فلاسفہ کہ مایۂ قساوت و سنگدلی است تمامی دل او را فرا گرفتہ بود و منقولات کتب سماوی و احادیث انبیا را کہ معدن رقت و سکینیت و مخوّف عقاب گوناگوں عقوبت است و خاطرش مدخلے نماندہ بود و سیاست مسلماناں و قتل موحداں خوئی و طبیعت او گشتہ، و چندیں علما، و مشائخ و سادات، و صوفیاں و قلندراں و نویسندگاں و لشکریاں را سیاست فرمودہ و آنکہ روزے و ہفتہ نمی گذشت کہ خون چندیں مسلماناں نمی ریختند و جوئے خوں پیش درِ سرائے او نمی راندند از اثر قساوت علم معقولات و فقدان اعتقاد علم منقولات بود . . . . ." (صفحہ ۴۶۵ - ۴۶۶)

اس نے یہ بھی بتلایا ہے کہ محمد تغلق کے ذہن میں جو باتیں آتی تھیں وہ اس عہد کے لوگوں کی عقل سے باہر ہوتی تھیں اور وہ اُن پر عمل پیرا ہونے کی طاقت و لیاقت نہیں رکھتے تھے۔ پادشاہ اس بات کو نہیں سمجھ سکتا تھا کہ جب اس کے احکام کی تعمیل نہیں ہوتی تھی تو وہ بیدریغ خوں بہا ڈالتا تھا۔

"آنچہ در تصور او گذشتے خلق را بداں فرمان دادے۔ و چوں . . . . وقوع متصورات سلطان اندازہ ماموراں نبودے کہ در حیّز اظہار آرند و عمل آں را موجود گردانند بر عداوت و بیفرمانی و مخالفت و بدخواہی ماموراں حمل می شد . . . . و خلق بسیاست می پیوست" (صفحہ ۴۶۶)

ضیائے برنی نے اعتراف کیا ہے کہ وہ خود اور اس کے اور ساتھی جن کو شاہی قرب حاصل تھا خوف جان اور حرص و طمع کی وجہ سے پادشاہ کو متنبہ نہیں کرتے تھے نہ صاف طور پر اظہار حق کرتے تھے۔

"و ما چنداں کافر نعمت کہ سپیدی خواندہ بودیم و از علمے کہ ازاں شرف دار و چیزے داشتم، از طمع و حرص دنیا انفاتہا در زیدہ و مقرب سلطان شدہ در قضیہ سیاست کہ نامشروع بودے حق پیش سلطان نمی گفتیم، و از خوفِ جانی کہ رفتنی است و دولتے کہ زائل شدنی است می ترسیدیم

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ' (صفحہ ۴۶۶)

اس حالت میں کہ اس عجیب و غریب بادشاہ سے دنیا عاجز آگئی تھی اور وہ دنیا سے عاجز آگیا تھا، سلطان محمد نے دریائے سندھ کے کنارے ٹھٹھہ سے چودہ میل پر لشکر کے اندر دس گیارہ دن بیمار رہنے کے بعد بتاریخ ۲۱ محرم ۷۵۲ھ ۱۳۵۱ء انتقال کیا، اپنے محسن کی وفات پر ضیائے برنی نے جو ماتم کیا ہے اس کے چند فقرات لکھتا ہوں :-

" آں جہاں پناہ جہانگیر از تختگاہ پادشاہی درمیان تختۂ چوب خفت و از مسند اولوالامری اسیر خاک شد۔ بیت

سر اسپ ارسلاں دیدی ز رفعت رفتہ بر گردوں	بمرد آ بخاک اندر تن اسپ ارسلاں بینی
امیرانے کہ بر قصر ش ہزاراں پاسباں بودے	کنوں بر قبہ گورش کلاغاں پاسباں بینی ...

اے داد از دست چرخ بیوفا، وفریاد از روزگار پر جفا کہ شاہان جہاں پناہ و جہانبانان انجم سپاہ را بر خاک مذلت میاں چہار گز گور زدامی داد، و سلطان شرق و غرب را زیر زحمت خواری می پسندد ۔ ۔ ۔ ۔

صبح محشر دمید ما درخواب	بانگ زن خفتگان عالم را
رستخیز است خیز باز شگاف	مسقف ایوان طاق طارم را
شہ محمد نجف در دل خاک	نیلگوں کن لباس ماتم را -" (صفحہ ۵۲۵، ۵۲۶)

ضیائے برنی کا سلطان محمد تغلق کی وفات پر نوحہ خوانی کرنا بیجا نہیں۔ اس وقت سے پھر اسے لطف زندگی کبھی حاصل نہیں ہوا بلکہ اس کی زندگی کے آخیر ایام نہایت مصیبت، ناداری حسرت اور مایوسی میں گذرے۔

محمد تغلق کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی۔ اس کے وزیر احمد ایاز نے ایک چھ سات برس کے لڑکے کو سلطان محمد کا بیٹا بنا کر دہلی میں تخت نشین کر دیا۔ لیکن لشکر شاہی سلطان فیروز کو بادشاہ بنا چکا تھا، بعد میں جب مقابلہ کی نوبت آئی تو وزیر کو شکست ہوئی اور سلطان فیروز نے احمد ایاز کو قتل کرا دیا۔ ضیائے برنی کے تعلقات سلطان

محمد کی زندگی میں سلطان فیروز اور احمد ایاز دونوں سے اچھے تھے۔ ہمارا خیال ہے کہ محمد تغلق کے انتقال کے وقت وہ دہلی میں تھا۔ اس کے دشمنوں نے نہ معلوم کیا الزامات لگائے اور اُن کی کیا اصلیت تھی کہ سلطان فیروز کو اُس کی طرف سے سخت برہم کر دیا اور ایسا برافروختہ کیا کہ بادشاہ کا دل اس کی طرف سے کبھی صاف نہیں ہوا ضیائے برنی نے اپنے آپ کو بیگناہ ثابت کرنیکی کوشش کی اور اخیر تک بادشاہ کی خوشنودی حاصل کرنیکی تمنا کرتا رہا اور تاریخ فیروز شاہی کو بھی بادشاہ کے نام سے معنون کر کے وجہ تقرب بنانا چاہا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کے دل کا میل کسی طرح نہ نکلا۔ تاریخ فیروز شاہی کے تصنیف کے وقت فیروز شاہ کو تخت نشین ہوئے چھ برس گذر چکے تھے لیکن ضیائے برنی اس وقت تک معتوبین ہی میں تھا اور اخیر تک نہایت نکبت و نادا اری کی حالت میں بسر کرتا رہا جس کا اس نے اپنی کتاب میں کئی موقع پر نہایت درد آمیز لہجہ میں ذکر کیا ہے:۔

"منکہ ضیائے برنی مولف تاریخ فیروز شاہی بعد نقل سلطان مغفور در مہالک گوناگوں افتادم و بدخواہان جانی و دشمنان و حاسدان زبردست و قوی حال در خون من سعی کردند از زخم چوگان عداوت گوئی دیوانہ ام ساختند و ہزار نوع سخنان زہرآلود از من در بندگی خداوند عالم رسانیدند کہ اگر بعد فضل اللہ تعالے علم و حیا و شفقت و مہربانی و حق شناسی و وفا داری سلطان العہد الزمان فیروز شاہ السلطان فریادم نرسیدے و سخنان زہرآمیختہ دشمنان غالب و مستولی گشتہ در حق ایں ضعیف شنیدے و بودے کہ من در کنارہا در خاک خفتمے واگر مکارم اخلاق ایں بادشاہ بیچارہ نواز دستم نگرفتے تا امروز من کجا زندہ ماندمے۔ ۔ ۔ ۔ (صفحہ ۵۵۶ - ۵۵۷)

ایک اور موقع پر عہد جلالی کے بعض سر آوردہ امرائے سلطنت کی سخاوت کا ذکر کرتے ہوئے اپنی درماندہ حالت اس طرح بیان کی ہے:۔

"اگرچہ من دریں ایام سخت درماندہ و عاجز شدہ ام و خواہندگان (سائلان) از درمن محروم باز می گردند از آنکہ زادہ کریم و خلف کرام مردن را ازیں روز ہا بہتر می دانم۔ و نہ چیزے دارم و نہ از کس دام می یابم، و شب و روز در حسرت آنکہ ایثارے کنم و درم و دینارے دہم میکاہم و می میرم" (صفحہ ۲۰۴ - ۲۰۵)

ایک جگہ اپنی کتاب پر فخر کرتے ہوئے اظہار حسرت کیا ہے کہ بادشاہ کو تاریخ سے شوق ہے لیکن چونکہ ناراض ہے کس طرح فیروز شاہی اسکی نظر سے گذرانی جائے :۔

"چہ کنم کہ دشمنانم از حضرت واز قرب او مرا دور انداختہ اند، میسرم نمی شود کہ این تاریخ را در نظر ہمایوں او بگذرانم . . . . بغایت شکستہ ام و درین شکستگی در حضرت بے نیازی مناجات می کنم و می گویم، آلہی بحرمت شکستگی خاطر من و بحرمت بیچارگی و مسکنت حال من لطیفہ ساز کہ این تاریخ من در نظر خداوندعالم بادشاہ بنی آدم فیروز شاہ السلطان خلداللہ ملکہٗ وسلطانہٗ بگذرد . . . ." (صفحہ ۱۲۵)

اخیر میں ملک الامرا ملاں سلطانی نے جو فیروز شاہ کے بندگان خاص میں سے تھا، بادشاہ سے ضیائے برنی کی کچھ سفارش کی تھی، لیکن غالباً اسکا بھی کوئی خاص نتیجہ نہیں نکلا :۔

"و ملک شکار یک ملاں سلطانی . . . . . . در باب من . . . . بسیار مدد فرمود، و چند سخنے کہ از ہجو او ے آید در پیش تخت عرضہ داشت کرد"

ضیائے برنی دنیا کے اُن لوگوں میں تھا، جو سخاوت اور عطا و بخشش کے خاص طور پر دلدادہ ہوتے ہیں اور اپنی سیرچشمی اور فیاضی کی وجہ سے بڑی سے بڑی دولت بھی سنگوا کر نہیں رکھ سکتے۔ سلطان محمد تغلق نے اُسے بہت کچھ انعام واکرام دئے تھے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے کچھ بچا کر نہیں رکھا۔ میر خورد کے بیان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ضیائے برنی کے اخیر ایام نہایت عسرت اور نا داری کی حالت میں گذرے اور وہ دنیا سے مسکین وار رخصت ہوا۔ بادشاہ نے اخیر زمانہ میں بسر اوقات کے لئے تھوڑا سا وظیفہ مقرر کردیا تھا (صفحہ ۲۱۲ سیرالاولیا) لیکن انتقال کے وقت اس کے پاس کچھ نہ تھا۔ مرنے سے پہلے اس نے اپنے جسم کے کپڑے بھی خیرات کر دئے تھے۔ اُس کے جنازے کو اوپر نیچے بوریہ میں لپیٹ کر اُس کے محبوب ترین دوستوں کے قرب میں دفن کردیا گیا۔ اُسکا باپ بھی خطیرہ سلطان المشائخ کے جوار میں دفن تھا۔ وہیں اپنے پدر بزرگوار کے پائیں میں اُسے بھی سپرد خاک کردیا گیا۔ میر خورد لکھتا ہے :۔

"آخرالامر چند روز رحمت شد و از دنیا بدار عقبیٰ مردانہ و عاشقانہ خرامید وقت نقل وانگہ

درم بر خود نداشت بلکہ جامہ ہائے تن نیز بداد و در جنازہ فرو بالائے او یک تو دیک بوریا بود۔
محتسب ہر آئینہ اثر صحبت سلطان المشائخ بر صحبت بادشاہان غالب آمد و عاقبت او بخیر شد
واز جہان سکین واز چنانچہ می بائیت بیروں رفت و در جوار حظیرۂ سلطان المشائخ در پائیں
والد بزرگوار خویش مدفن یافت رحمۃ اللہ علیہ" (سیر الاولیا صفحہ ۳۱۲)

اُس کی قبر کا پتہ اب بھی اُس کے دوست خسرو کے مزار سے جنوب کیطرف دیا جاتا ہے لیکن کوئی
لوح یا کتبہ نہیں ہے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ جو موقع اُس کے مدفن کا بتایا جاتا ہے وہ صحیح ہے یا نہیں، اگرچہ اس
میں شبہ کرنیکی کوئی وجہ نہیں ہے۔ ہم نے بارہا اُس موقع پر کھڑے ہو کر ہندوستان کے سب سے پہلے ہندوستانی
مورخ اور اپنے ہم وطن بزرگ کی فاتحہ پڑھی ہے۔ خدا اُسے غریق رحمت کرے۔

اُس کی زندگی عبرت آموز ہے وہ ایک اونچے اور متمول گھرانے میں پیدا ہوا۔ امیرانہ شان و شوکت
میں پرورش پائی ایک طویل عیش و راحت کی زندگی گذارنے کے بعد جس میں اس نے ہندوستان کے
بعض اہم واقعات، غیر معمولی حوادث اور متعدد انقلابات اور عظیم شخصیتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ وہ بالآخر
نقیرانہ زندگی کی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہوا۔ ہمیں یقین ہے کہ باوجود ان مصائب کے جو اس نے
اخیر زندگی میں بادشاہ وقت کی بےاعتنائی اور عتاب کی وجہ سے برداشت کئے وہ فی الجملہ اس دنیا سے اطمینان
کے ساتھ رخصت ہوا۔

ضیائے برنی کا سنہ وفات تحقیق نہیں۔ فیروز شاہی کی تصنیف کے وقت اس کی عمر ۷۴ برس کی
تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد وہ زیادہ عرصہ تک نہیں جیا۔ میر خورد کے بیان سے بھی معلوم ہوتا ہے
کہ وفات کے وقت وہ ستر سے کچھ ہی زیادہ عمر رکھتا تھا۔ (سیر الاولیا صفحہ ۳۱۳)

میر خورد کے بیان سے جس نے یقیناً اُسے اخیر زمانہ میں دیکھا تھا، یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے
زمانے کا ایک ہر دلعزیز شخص تھا۔ وہ بزرگوں، عالموں، شاعروں، امیروں اور بادشاہوں کا دوست رہ چکا
تھا۔ اُس کو ابتدا ہی سے اچھی صحبتیں ملی تھیں۔ وہ زندگی کا ہر قسم کا تجربہ رکھتا تھا۔ وہ طبعاً خوشدل اور ظریف
تھا۔ اُس کی باتیں دلچسپ ہوتی تھیں جو لوگوں کو اپنی طرف مائل کرلیتی تھیں۔ وہ مجلس میں بیٹھکر لوگوں کو

لطائف روح افزا اور حکایات ہوش ربا سناتا تھا:۔

"آں بلطافت طبع بے نظیر و آں بنزدیک اہل دلاں عالم دلپذیر یعنی خواجہ ضیاء الملۃ والدین برنی کہ مقبول خاص و عام بود و لطافتے بحد و ظرافتے بے اندازہ داشت۔ در ہر مجلسے کہ ایں بزرگوار بودے گوش ہوش ہمہ بر لطائف روح افزائے او بودے مجمع اللطائف و جوامع الحکایات بود واز صحبت علماء و مشائخ و شعراء نصیبے کامل داشت وہمتے بلند" (سیر الاولیا صفحہ ۳۱۲-۳۱۳)

اُس کی تصانیف میں سے ثنائے محمدی، صلوٰۃ کبیر، عنایت نامہ، ماثر سادات، حسرت نامہ (سیر الاولیا صفحہ ۱۳۱۳) اور تاریخ آل برمک مشہور ہیں اور ان سب سے زیادہ مشہور کتاب تاریخ فیروز شاہی ہے جسکی بدولت اُسکا نام زندہ ہے۔

ضیائے برنی کو تاریخ سے خاص دلچسپی تھی۔ اُس نے مختلف علوم و فنون میں بہت سی کتابیں پڑھی تھیں، لیکن وہ سب سے زیادہ تاریخ کو عزیز رکھتا تھا جس کا اس نے وسیع مطالعہ کیا تھا۔ اس کی تاریخ دانی نے ایسی شہرت حاصل کی تھی کہ بادشاہ بھی اُسے ایک باخبر مورخ کی حیثیت سے دیکھتے تھے وہ تاریخ سے اپنی وابستگی خاطر کو اس طرح بیان کرتا ہے:۔

"چنیں گوید بندہ گنہگار ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ضیائے برنی کہ عمر بندہ در تصفح کتب گذشتہ است و در ہر علمے تصانیف سلف و خلف مطالعہ کردہ ام و بعد از علم تفسیر و حدیث و فقہ و طریقت مشائخ در ہیچ علمے و عملے چنداں منافع مشاہدہ نہ کردہ کہ در علم تاریخ" (صفحہ ۹)

علم تاریخ کے موضوع اس کے فوائد اور شرائط پر ضیائے برنی نے ایک طویل مقدمہ حمد و نعت و منقبت صحابہ کے بعد لکھا ہے۔ تاریخ کا موضوع اس کی نظر میں "انبیاء، خلفاء، سلاطین و بزرگان دین و دولت کے اخبار رہیں:۔

"و دانستن آثار و اخبار انبیاء و خلفاء و سلاطین و بزرگان دین و دولت علم تاریخ است ۔ ۔ ۔ ۔
علم تاریخ اخبار اوصاف بزرگی و ذکر محامد و مناقب و مآثر بزرگان دین و دولت است نہ ذکر رذایل ارذال و اسافل و کم اخلاق و بازاریان" (صفحہ ۹)

آگے چل کر اُس نے تاریخ کے موضوع کو کچھ اور وسعت دیدی ہے اور تاریخ کے دائرہ میں اچھے اور بُرے حالات کا تذکرہ شامل کرلیا ہے :-

"علم تاریخ نقل خیر و شر و عدل و ظلم و استحقاق و غیر استحقاق و محاسن و مقابح و طاعات و معاصی و فضائل و رذائل سلف است، تا خوانندگان خلف ازاں اعتبار گیرند و منافع و مضار جہانداری و نیکوکاری و بدکرداری جہانبانی دریابند و از درون آں نیکوکاری را اتباع نمایند و از بدکرداری پرہیزند" (صفحہ ۱۲-۱۳)

ضیائے برنی کے خیال میں تاریخ کے مطالعہ و تصنیف کرنے کے مجاز و مستحق اور نیز اُس کے مخاطب بھی فی الواقع معزز اور سربرآوردہ لوگ ہیں، جمہور کو اس فن کے مطالعہ کرنے اور اُس سے منتسب ہونے کا کوئی حق نہیں ہے :-

"و اشتغال علم تاریخ بہ بزرگان دین و دولت کہ بکمالات سمر بودند و بہ بزرگیہا در میان مردم سمر شدہ باشند مختص است، و اراذل و اسافل و ناشایستگان و نابایستگان و دونان و دوں ہمتاں و مجہولاں و لئیمان و بے سرو پایاں و دانماندگان و کم اصلان و بازاریان را در علم تاریخ نہ نسبت بود نہ پیشہ و نہ حرفت ایشاں باشد، و طوائف مذکور را دانستن علم تاریخ ہیچ منفعتے نکند و در ہیچ محلے بہیچ کار نیاید" (صفحہ ۹)

ضیائے برنی کی اس ذہنیت سے ہمیں متعجب نہیں ہونا چاہئے۔ ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ وہ ہندی نژاد مسلمان تھا اور ایک امیرانہ خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اُس کے رگ و پے میں اس قسم کے خیالات بسے ہوئے تھے اور جس آب و ہوا میں اُس نے پرورش پائی وہ اسی قسم کے خیالات کی مقتضی تھی۔ اُس زمانے کے لوگ دو ممتاز طبقوں میں منقسم تھے ایک وہ طبقہ جو دینی یا دنیوی یا نسلی حیثیت سے اقتدار رکھتا تھا اور دوسرا طبقہ عوام الناس کا جو اپنی جہالت، سُست طبعی اور پست خیالی کی وجہ سے بجائے حقوق عامہ سے واقف ہونے اور انکی حفاظت کرنیکے صرف مقتدر جماعتوں کی اطاعت اور وفاداری ہی اپنی زندگی کا نصب العین سمجھتا تھا۔ بادشاہ ظل اللہ تھا، اور اگرچہ نظری حیثیت سے خلق اللہ کے راعی ہونے کی حیثیت سے اُسے

یہ درجہ حاصل تھا لیکن فی الواقعہ تاج و تخت اکثر جبر و تشدد اور مکر و فریب سے حاصل ہوتے اور تلوار روپیہ اور ہر قسم کی بے ایمانیوں سے برقرار رکھے جاتے تھے۔

تاریخ کے موضوع اور مورخ کے افق نظر کو اس طرح محدود کر دینے کی وجہ سے ضیائے برنی نے تاریخ کے دائرہ کو بہت کچھ تنگ کر دیا ہے۔ وہ موضوع تاریخ کے اس صحیح تصور سے بہت دور ہے جو اس سے کچھ ہی عرصہ بعد ابن خلدون نے قائم کیا اور جس پر عمل پیرا ہونیکی وجہ سے وہ بجا طور پر فلسفہ تاریخ کا امام مانا جاتا ہے۔ ہمارے خیال میں ابن خلدون سے بہتر کسی نے موضوع تاریخ کو صحیح طور پر متعین نہیں کیا ہے۔ اس نے تاریخ کی جو تعریف کی ہے آسے ہم نقل کرتے ہیں اور ناظرین سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ ہندی نژاد مورخ کی محدود النظری اور عربی مورخ کی دسیع النظری کا مقابلہ کریں:۔

"حقیقۃ التاریخ انہ خبر عن الاجتماع الانسانی الذی ہو عمران العالم، وما یعرض لطبیعۃ ذلک العمران من الاحوال مثل التواحش والتانس والعصبیات واصناف التغلبات للبشر بعضہم علی بعض، وما ینشا عن ذلک من الملک والدول ومراتبہا وما ینتحلہا البشر باعمالہم ومساعیہم من الکسب والمعاش والعلوم والصنائع وسائر ما یحدث فی ذلک العمران بطبیعتہ من الاحوال۔"

ابن خلدون کے خیال میں تاریخ کا موضوع اجتماع انسانی و عمران عالم کے حالات ہیں جنکا مطالعہ ارتقائی نقطہ نظر سے کیا جاتا ہے کہ کس طرح اجتماع انسانی نے وحشت کی حالت سے تمدن کیطرف ترقی کی کس طرح انسان نے جماعتیں بنائیں، کس طرح ان جماعتوں نے باہمی جنگ و جدل کے بعد ایک دوسرے پر غلبہ پایا، کس طرح مختلف انواع و مدارج کی حکومتیں اور سلطنتیں قایم ہوئیں، کس طرح دوران تمدن میں مختلف قسم کے کاروبار وجود میں آئے اور علوم و صنائع پیدا ہوئے۔ الغرض کس طرح نسل انسانی نے تمدن کے مختلف شعبوں میں قدم رکھا اور ترقیاں کیں۔ ابن خلدون کے نقطہ نظر سے سلطنتوں اور حکومتوں کا قائم ہونا بھی منجملہ تمدن بشری کے دیگر واقعات کے ایک نوع کے واقعات ہیں جو انسان کی تمام زندگی کے تمام حالات پر حاوی نہیں ہیں۔ وہ مورخ کی نظر کو اتنا وسیع کرنا چاہتا ہے کہ اجتماع بشری کے تمام



حالات و معاملات ان کے دائرہ میں آجائیں اور وہ حیات بشری کے کسی ایک جز یا شعبہ ہی کو تاریخ کا موضوع قرار دینا نہیں چاہتا۔ اُس کے خیال میں محض جنگ و جدل، حوادث، و انقلاباتِ سلاطین و زوال تاج و تخت، اخبار ملوک و زرا، و اُمرا، زلزلوں، طاعون، قحطوں اور عام مصائب و بلایا اور اہل ظلم و جور کے مکاید اور اہل طمع کے جرائم استبداد ہی کا نام تاریخ نہیں ہے۔"

انّ من التاریخ "تعلیل الکائنات و مبادیہا دقیق و علم بکیفیات الوقائع واسبابہا عمیق"

ضیائے برنی اور عام مورخین کے اور ابن خلدون کے نقطہ نظر میں جو اہم فرق ہے وہ یہ ہے کہ اول الذکر بجائے اجتماع انسانی کے افراد انسانی کو تاریخ کا موضوع قرار دیتے ہیں۔ اس وجہ سے وہ بجائے اجتماع انسانی کی تاریخ کے افراد کے حالات پر اکتفا کرتے ہیں۔ وہ اسی وجہ سے چیزوں کی تہ تک نہیں پہنچ سکتے۔ وہ سطح سے آگے نہیں بڑھتے۔ وہ اسباب علل کے پر پیچ سلسلوں کو صحیح طرح نہیں سمجھ سکے وہ تاریخی واقعات کی صحیح تعبیر نہیں کر سکے۔ وہ اُن مخفی لیکن قوی قوتوں سے بے خبر رہتے ہیں جو پس پردہ کام کرتی اور تبدیلیاں اور انقلاب پیدا کرتی رہتی ہیں۔ اور جن کے سامنے افراد انسانی اکثر بجائے ذی اختیار عامل ہونے کے محض بساط کے مہرے ہوتے ہیں جن کی حرکتیں فی الواقع بجائے اختیاری ہونے کے اضطراری اور ناگزیر ہوتی ہیں۔

ضیائے برنی پر کیا منحصر ہے تاریخ کا یہ بلند اور صحیح موضوع جو ابن خلدون (متوفی ۸۰۸ھ ۱۴۰۵ء/۱۴۰۶ء) نے قرار دیا ہے، نہ اُس سے پہلے کسی کی نظر میں تھا، نہ کسی نے اس نقطہ نظر سے تاریخ سے بحث کی تھی۔ اُس کے بعد بھی دنیا کے بہت ہی کم مورخ ہیں جو تاریخ کا ایسا وسیع اور صحیح موضوع سمجھے اور اُس پر عمل پیرا ہوئے ہوں۔ ورنہ عام خیال وہی "بڑے لوگوں" کے حالات اور جنگ و جدل کے واقعات اور خاص قسم کے حوادث ہیں، جن سے آگے مورخین قدم نہیں بڑھاتے۔

ہر چند کہ ضیائے برنی کا دائرۂ تاریخ کے صحیح تصور سے بہت بعید اور محدود ہے لیکن اُس دور اور عہد مابعد کے اکثر مورخوں کے مقابلہ میں نظری و عملی دونوں حیثیتوں سے وہ زیادہ وسیع النظر ثابت ہوتا ہے۔

وہ عام حالات کیطرف بہت زیادہ متوجہ ہوا ہے۔ بلاشبہ اُس نے اُنکا تذکرہ ابن خلدون کے نقطۂ نظر سے نہیں کیا ہے لیکن اُسکی تاریخ سے اُس قسم کی تاریخ مرتب کرنے میں جو عمران عالم اور اجتماع بشری سے بحث کرے قیمتی مدد حاصل ہوسکتی ہے۔ اُس نے انتظامات، طبقات، مشاہیر اور وقائع عامہ کے بیان میں صفحات کے صفحات لکھے ہیں اور ان چیزوں کا تذکرہ تاریخ کے موضوع میں داخل سمجھا ہے۔ ضیائے برنی اس لحاظ سے اپنے پیشرو ہندوستانی مورخوں منہاج اور نظامی سے بدرجہا فایق ہے۔ نظامی زیادہ تر الفاظ کا دلدادہ اور انشا پردازی میں محو ہے جس نے واقعات کے بیان کرنے میں اپنا ادیبانہ کمال دکھانا چاہا ہے۔ اور زیادہ تر ملک گیری کے واقعات تک اپنے آپ کو محدود رکھا ہے۔ منہاج کا بیان سادہ اور بے تصنع لیکن خشک ہے، بہ نسبت مورخ کے میں اُسے اور نظامی کو وقائع نگار کی حیثیت دیتا ہوں جنہوں نے زیادہ تر بادشاہوں کے حالات وحوادث کے بیان پر اکتفا کی ہے۔ وسعت نظر کے لحاظ سے بعد کے مورخوں میں صرف عالی ظرف اور روشن خیال ابوالفضل مصنف آئین اکبری کو ضیائے برنی پر بین فوقیت حاصل ہے۔ اصل یہ ہے کہ ابوالفضل بھی ابن خلدون کیطرح ایک غیر معمولی حیثیت کا مصنف ہے اور اُسکی آئین اکبری بھی ابن خلدون کے مقدمہ کی طرح اپنی نوعیت کی ایک ہی چیز ہے، جس کی مثال اس سے پہلے دکھائی نہیں دیتی۔

حدود تاریخ کے مخصوص ومحدود تصور کیوجہ سے ضیائے برنی کے ذہن میں تاریخ کے منافع بھی اُسی نوعیت کے ہیں:۔

(۱) کتب سماوی میں بعض انبیا، وسلاطین کے اخبار وآثار موجود ہیں علم تاریخ کا بھی یہی موضوع ہے اور دونوں کا مقصد اولوالابصار کی عبرت ہے:۔

"وعلم تاریخ ہمیں علم است کہ سرمایۂ اعتبار اولوالابصار می گردد" (صفحہ ۱۰)

(۲) حدیث اور تاریخ کا نہایت قریبی تعلق ہے اور محدث کے لیے مورخ ہونا ضروری ہے۔

(۳) علم تاریخ سے عقل وشعور حاصل ہوتے اور رائے کو تدبیر ومدد ملتی ہے۔

(۴) بادشاہوں کو اس کے مطالعہ سے مفید سبق حاصل ہوتے ہیں اور وہ نازک سے نازک

موقعوں پر ثابت قدم رہنا سیکھتے ہیں۔

(۵) انبیاء کے حالات پڑھکر صبر و رضا کی تعلیم ملتی ہے۔

(۶) علم تاریخ کے مطالعہ سے اچھے لوگوں کے حالات پڑھکر اچھے لوگوں کے خصائل دلنشیں ہوتے اور برے لوگوں کی خرابیاں دیکھکر بری باتوں سے نفرت ہوتی ہے۔(۱۱-۱۳)

(۷) مورخ جن لوگوں کے حالات لکھتا ہے انکے ہمیشہ کے لئے نام اور شہرت قائم کر دیتا ہے۔ (صفحہ ۱۶-۱۷)

(۸) تاریخ کے مطالعہ سے یہ اخلاقی سبق بھی حاصل ہوتا ہے کہ "بدی کا نتیجہ بدی اور نیکی کا نتیجہ نیکی ہے"!

تاریخ کے موضوع اور فوائد سے بحث کرنیکے بعد وہ تاریخ نگاری کی شرائط سے بحث کرتا ہے۔ وہ مورخ کا سب سے مقدم فرض راستبازی اور راست نگاری قرار دیتا ہے اور اسی وجہ سے ہر شخص کو وہ تاریخ لکھنے کا اہل نہیں سمجھتا۔ اُس کے خیال میں مورخ کے لئے دیندار ہونا بھی ضروری ہے۔ اس بحث پر اُس کے آراء ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں:-

"مؤلف تاریخ ہم از اہل اعتبار باید وہم بصدق و عدالت مشہور و مذکور باید، تا در نوشتہ بے سندا و اعتقاد مطالعہ کنندگان راسخ گردد۔ و در میان معتبران اعتبار گیرد" (صفحہ ۱۳)

"ونیز مورخ چنانکہ از اکابر و معارف می باید سلامتی دین و مذہب او ہم شرط نوشتن است (صفحہ ۱۴)

"و شرطے کہ از لوازم تاریخ نویسی است آنست کہ بر مورخ از روئے دینداری واجب و لازم است کہ اگر فضائل و خیرات و عدل و احسان بادشاہے و بزرگے نویسد باید کہ مقابح در زایل او را مستور ندارد و طریقۂ مداہنت در نوشتن تاریخ معمول نکند و اگر مصلحت بیند بصریح والا برمز و اشارت و کنایت زیرکان و فہیماں را بیاگاہاند، و اگر از خوفے و ہراسے ساوی ہم عصر و ہم عہد نتواند نوشت دراں معذور بود لیکن از گذشتگاں باید کہ راستا راست

نویسد۔ واگر مورخ را در عہدے وعصرے از پادشاہے و یا از وزیرے وبزرگے کوفتے وکوفتگی رسیدہ باشد، یا نوازشے ونواختے و یا زیادتی یافتہ، باید کہ در اوان تالیف تاریخ لطف وقہر و نوازش وگذارش کسے از بزرگان منظور او نبود تا از نتایج آں برخلاف راستی تفضیلے ورفیعے نابودہ ومعاملہ وماجرائے ناگذشتہ در قلم آرد بلکہ منظور مورخ دیناً واعتقاداً وصدقاً ونہیاً نوشتن راستی ودرستی باشد۔ وبرمورخ واجب ولازم است کہ از طریق وطریقت کذابان و مداحاں ومبالغہ کنندگان وشاعران دروغ زنان وسحر آرایان احتراز کلی واجب شناسد کہ طوائف مذکور خرمہرہ را یاقوت لعل گویند واز طمع خود سنگریزہ را جوہر گرانمایہ نام نہند۔ و احسن نوشتہا واختراعہائے ایشاں اکذب ایشاں باشد۔ ۔ ۔ ۔ فردائے قیامت مولف کذاب بہ سخت ترین عذاب وعقاب دماند" (صفحہ ۱۵-۱۶)

اس طویل خطبہ کے اخیر میں جس میں کہ موضوع ومنافع وشرائط تاریخ بیان کئے گئے ہیں ضیائے برنی نے اس طرح اپنی کتاب کی خوبیوں کو سراہا اور اپنی سچائی کا یقین دلایا ہے :۔

" ومن در نوشتن تاریخ مذکور زحمت بسیار دیدہ ام واز منصفان انصافہا توقع می کنم کہ ایں کتاب بسے معانی را جامع است کہ اگر ایں تالیف را تاریخ خوانند اخبار سلاطین دریابند واگر دریں تالیف احکام وانتظام والتیام جویند از انہم خالی نیابند، واگر دریں تالیف مواعظ ونصائح جہانبانان وجہانداران طلبند بیشتر وبہتر از تالیفات دیگر مطالعہ فرمایند۔

وازانچہ ہرچہ نوشتہ ام راست ودرست نوشتہ ام ایں تاریخ واجب الاعتبار است وازانکہ در الفاظ موجز معانی بسیار درج کردہ ام واجب الاقتدار است" (صفحہ ۲۳)

پھر ایک اور جگہ لکھا ہے :۔

ومنکہ ضیائے برنی مولف تاریخ فیروز شاہیم دریں تالیف ساحریہا کردہ وانم ودانایان علم تاریخ سیمرغ وکیمیا شدہ اند ہم دانند کہ ہزار سال بازمثل تاریخ فیروز شاہی کہ جامع اخبار و احکام جہانبانی است ہیچ مورخ را دست ندادہ است۔ آہ چہ کنم وبیش کہ نالم ودر خدمت

کہ عرضہ دارم کہ تا این تاریخ با تواریخ دیگر مقابلہ و موازنہ فرماید و انصاف خون خوردن من بدہد کہ در ہر سطرے بلکہ در ہر کلمۂ لطائف و غرائب احکام انتظامی در ضمن اخبار و آثار سلاطین درج کردم و منافع و مضار جہانداری جہانداران چہ بصریح و چہ بکنایت و چہ بعبارت و چہ باشارت و چہ کشادہ و چہ برمز آوردہ" (صفحہ ۱۲۳-۱۲۴)

اس کے بعد اُس نے نہایت حسرت کے ساتھ اپنے ملک میں تاریخ جاننے والوں اور اُس کی قدر و قیمت پہچاننے والوں اور حق شناسوں کے نقدان پر ماتم کیا ہے اور لکھا ہے کہ اگر جمشید و کیخسرو اور نوشیرواں وپرویز زندہ ہوتے اور اس تاریخ کے مقابلہ میں شہر انعام دیتے تو راضی نہ ہوتا اور ناز کرتا پھر کہتا ہے کہ اگر ایسا نہیں ہو سکتا تو کاش ارسطاطالیس اور بزرجمہر ہی اس کتاب پر نظر ڈال سکتے، تاکہ میرے حق میں انصاف و تحسین کرتے اور اگر یہ بھی تمنائے دیوانہ ہے تو ایسی تاریخ سلطان محمود اور سلطان سنجر کے زمانہ میں تصنیف ہوتی کہ تاریخ اور مورخ کی عزت بلاد و ممالک اسلام میں روشن ہوتی۔ ان سب حسرتوں سے بڑھکر یہ حسرت ہے کہ بادشاہ عہد (سلطان فیروز) علم تاریخ سے شغف رکھتا ہے، لیکن مورخ مغضوبین میں ہونیکی وجہ سے اس کتاب کو اس کے سامنے پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اخیر میں لکھتا ہے کہ میری سب حسرتیں جاتی رہیں گی اگر بادشاہ ایک نظر اس کتاب کو دیکھ لیگا۔ (صفحہ ۱۲۴-۱۲۵)

حقیقت یہ ہے کہ ضیائے برنی نے اپنے ملک میں فن تاریخ کی ناقدری کی جو کچھ شکایت کی ہے حق بجانب ہے طبقات ناصری کی تصنیف سے پورے سو برس بعد تاریخ فیروز شاہی لکھی گئی اور اس دوران میں کوئی مصنف ایسا نہیں ہوا جو فی الواقع ہندوستان کی تاریخ بحیثیت تاریخ لکھتا۔ ضیائے برنی کے بعد بھی برسوں تک ہندوستان میں کوئی مورخ نہیں ہوا اور فیروز شاہ ضیائے برنی کے انتقال کے بعد اسی حسرت میں رہا کہ اُس کے عہد کی تاریخ لکھی جائے، لیکن کوئی شخص اس کام کا اہل نہیں ملا شمس سراج عفیف نے جو تاریخ لکھی وہ اس بادشاہ اور تیمور کے حملہ کے بعد لکھی جس میں اُس نے بعض دیگر سلاطین ماسبق و مابعد کے حالات کے علاوہ سلطان فیروز شاہ کی تاریخ بھی لکھی ہے اور وہ بھی تاریخ فیروز شاہی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ کتاب بدقسمتی سے مکمل دستیاب نہیں ہوتی اور یہ خیال جو عام طور پر متداول ہے غلط ہے کہ

اس مورخ نے صرف فیروز شاہ کا حال لکھا تھا عفیف ایک دلچسپ مورخ ہے اور اس نے اپنی کتاب میں عام حالات کیطرف بھی توجہ کی ہے ۔ شمس سراج عفیف کے بیان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سلطان فیروز کو تاریخ سے خاص شغف تھا۔ فیروز شاہ ایک تعلیم یافتہ بادشاہ تھا لیکن ہمارے خیال میں علمی حیثیت سے اُس کا عہد چنداں ممتاز نہیں، حالانکہ اُس کی نیکدلی کیوجہ سے اُس کا عہد زیادہ تر امن وامان میں گذرا۔ جب اُس کی یہ تمنا کہ اُس کے عہد کی تاریخ قلمبند ہو جائے پوری نہیں ہوئی تو بالآخر اُس نے اپنی زبان سے کچھ فقرات قلمبند کراکے پتھر میں کندہ کرا دیے اور فیروز آباد کے اندر منارہائے سنگین (اشوک بادشاہ کے لاٹھ) اور کوشک شکار اور کوشک نزول کی عمارتوں گنبدوں کے گرداگرد لگا دیے جن میں اپنے کچھ حالات بیان کیے تھے:۔

"واندراں ایام کہ خدمت مولانا ضیاء الدین برنی علیہ الرحمۃ والغفران مورخ تاریخ فیروز شاہی برحمت حق پیوستہ حضرت فیروز شاہی برائے کتابت تواریخ خود بر ہریک عامل اسرار دل خود گفتہ کہ بغیر مورخ موثق این نگارزیں دریں گلزار ہیچ کسے بافضل بے بستن نتوانستہ۔

چوں حضرت شاہ فیروز از کتابت تواریخ عہد دولت خود نا امید گشتہ ضرورۃً از زبان خود ششں از کثرت ہوس و عمارت کوشک شکار و در گنبد ہائے کوشک نزول و عمارت منارہ سنگین کہ در کوشک شکار و درون فیروز آباد داشتہ اند در سنگ او نقرہ کنانیدہ۔ و مضمون آں بریں جملہ نویسانید کہ ایں چنیں شکار ریلان باعظیم وہم چنیں پیلان آوردیم وایں چنیں رعنائیہا نمودیم ایں ہمہ چہ بود تا میان جہاں و جہانیان و عالم و عالمیان ایں ہمہ نظائر بہ پیش اہل بصائر یادگار ماند، و خلائق جہاں و عاملان دوراں عبرت گیرند۔

(تاریخ فیروز شاہی شمس سراج عفیف مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال صفحہ ۱۷۷)

تاریخ کا فن ہندوستان میں مسلمانوں کے ساتھ آیا، اس سے پہلے اس ملک میں تاریخ کے ساتھ اعتنا نہیں کیا گیا۔ ہندوستان کے علما نے بعض دیگر علوم مثلاً الٰہیات و ریاضیات میں حیرت انگیز ترقیاں کیں لیکن تاریخ کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔ مسلمان بھی جس وقت وسط ایشیا سے شمالی ہندوستان

میں داخل ہوئے اور دہلی کی سلطنت قائم ہوئی، مسلمانوں کا وسط ایشیا کے ملکوں میں علمی و ذہنی انحطاط شروع ہو چکا تھا اور تاریخ کی قدیم شاندار روایتیں ماند پڑ چکی تھیں، اس وقت تک فن تاریخ میں مسلمانوں میں بڑی بڑی شخصیتیں پیدا ہو چکی تھیں (مثلاً طبری اور البیرونی) اور مغربی ممالک اسلام میں جہاں عربی زبان رائج تھی تاریخ کی شاندار روایت عرصہ تک محو نہیں ہوئی بلکہ آٹھویں صدی کے اخیر اور نویں صدی کے آغاز میں ابن خلدون ہوا جو مسلمانوں کے مورخین میں ممتاز ترین ہستی رکھتا ہے۔ مشرقی ممالک میں جہاں فارسی زبان رائج ہو چکی تھی اور کتب تواریخ بھی اسی زبان میں لکھی جانے لگی تھیں تاریخ کا معیار روز بروز پست ہوتا گیا، ہندوستان میں مسلمان آئے تو ایسی حالت میں کہ وہ تاریخ نویسی کے اعلیٰ معیار کو فراموش کئے ہوئے تھے اور اُنکا سابقہ پڑا تو ایسے ملک سے جہاں پہلے ہی سے اس فن کا رواج نہ تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہاں تاریخیں لکھی گئیں لیکن اعلیٰ معیار سے نیچے۔ مورخ ہوئے لیکن کم اور مدت اور مدت کی بعد محض واقعہ نگار کی حیثیت سے بھی دیکھو تو ہمارے ہندوستان کے مورخ، منہاج، حسن نظامی، ضیائے برنی اور شمس سراج اپنے پیشرو مورخین ابوالفضل بیہقی اور البیرونی سے کوئی نسبت نہیں رکھتے۔ نہ اُس سے کوئی محض واقعہ نگار کی حیثیت سے اپنے معاصرین ابن الاثیر اور ابن خلدون ہی کو پہنچتا ہے۔

اپنے زمانہ میں ہندوستان میں تاریخ کیطرف سے بے توجہی اور بے اہتمامی کا ضیائے برنی نے اپنی کتاب میں کئی جگہ ذکر کیا ہے:-

> "دریں ایام کہ من تاریخ فیروزشاہی می نویسم ہفتاد سال از نقل سلطان بلبن گذشتہ است . . . بے اہتمامی و بیہوشی علم تاریخ بجائے رسیدہ است کہ از اہل علم و یا از خداوندگان شمشیر و شجاعت کسے در نظر نمی آید کہ او را اخبار و آثار جہانداری سلطان بلبن روشن بود و یا در دانستن و شنیدن اخبار او و یا از اں سلاطین ماضیہ کہ بر تخت گاہ دارالملک دہلی پیش از سلطان بلبن و بعد از و بودند ہوسے باشد، فضلاً از دانستن و شنیدن اخبار و آثار سلاطین ماضیہ اقالیم دیگر . . . . در بزرگان دین و دولت عہد و عصر آرزوئے دانستن و شنیدن اخبار بزرگان سلف معاینہ کنم حال من در روزگار من کہ ازیں علم بہرہ دارم و دریں علم رنجے بردہ ام چہ شود . ." (صفحہ ۴-۹۴)

ضیائے برنی نے اپنی تاریخ کو سلیس عام فہم عبارت میں لکھا ہے لیکن اُس کا طرز تحریر باوجود سہل ہونیکے تکرار لفظی و معنوی اور خطابت کیطرف مائل ہے۔ باوجود اس کے اسکا طرز تحریر لفظی اور معنوی تصنعات سے بری ہونیکی وجہ سے فارسی مورخوں میں بساغنیمت ہے کبھی کبھی اُس کا بیان رنگین ہو جاتا ہے اور ادبی شان اور شاعرانہ تخئیل پیدا کرلیتا ہے۔ اسکی زبان کے متعلق اعتراض کیا گیا ہے کہ اُس میں ہندوستانی محاورت کا اثر پایا جاتا ہے۔ یہ اعتراض درست ہے۔ وہ ہندوستانی نژاد تھا۔ ہندوستان کی فارسی پر سو برس کے اندر ہندی زبان کا بہت کچھ اثر پڑا تھا۔ وہ مسلمان جو یہاں بود و باش اختیار کرچکے تھے ضرور ایک قسم کی ملی جلی زبان بولنے لگے تھے جو عربی، فارسی، ترکی اور ہندی الفاظ کی آمیزش سے بنی تھی اور جس نے رفتہ رفتہ ترقی کرکے اردو کی شکل اختیار کرلی۔ اس روزمرہ کی زبان کا ہندوستان کی فارسی پر اثر پڑنا چاہئے تھا اور پڑا۔ خسرو کی زبان میں بھی اس کا اثر ملتا ہے گو اس کے متعلق کسی اہل زبان کو مجال دم زدن نہیں ہے۔ ہندوستان کے فارسی شعرا اور نثر نگاروں کی تحریرات میں ہندی الفاظ ملتے ہیں بعض اوقات ایسے محاورات بھی ہوتے ہیں جو ہندی زبان سے فارسی میں ڈھالے گئے ہیں اور اُنکے ہندوستانی ہونیکا پتہ دیتے ہیں۔ یہی حال ضیائے برنی کا ہے۔ ہمیں اس طرز بیان کے متعلق نہ شرمندہ ہونیکی ضرورت ہے نہ اُس کے لئے معذرت درکار ہے نہ اخفا کی حاجت ہے۔ زبان بھی انسان کے دیگر حالات کی طرح متغیر ہونیوالی چیز ہے اور ماحول سے بہت جلد متاثر ہوتی اور تبدیلیاں اختیار کرتی ہے۔ ہندوستان کی فارسی ایک جداگانہ حیثیت رکھتی ہے اور اُسی نہج سے ایک مورخ اُسے دیکھنے پر مجبور ہے۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم اُس زبان کو بقدری یا بے عزتی کی نظر سے دیکھیں۔ وہ اسی طرح متغیر ہوتی رہی جس طرح کہ ہم رفتہ رفتہ ہندوستان میں متغیر ہوتے رہے۔ یہ تغیرات ناگزیر تھے اور اُنکے متعلق افسوس کرنا بالکل نامناسب اور بیجا ہے۔

ضیائے برنی کی رنگین بیانی، ادبیانہ پرواز اور شاعرانہ تخئیل کا ہمارے خیال میں بہترین نمونہ تاریخ فیروز شاہی کا وہ مقام ہے جہاں اُس نے بلبن کے رنگیلے جانشین سلطان معزالدین کیقباد کی عیش پرستیوں کا نقشہ کھینچا ہے وہ خود اُس عہد میں بچہ تھا اور سن شعور کو نہیں پہنچا تھا جو کچھ اُس نے لکھا ہے اُس میں تخیلہ سے کام لیا ہے یہ مقام چونکہ طویل ہونے کی وجہ سے پورا انتخاب نہیں کیا جا سکتا اصل کتاب میں پڑھنا

چاہئے (صفحہ ۱۵۶-۱۶۵) ضیائے برنی نے اس پر بڑا ناز کیا ہے اور اپنی انشا پردازی کا بہترین نمونہ قرار دیتے ہوئے اسکا "قبتہ التواریخ" نام رکھا ہے۔

ہمیں چند ورقے کہ در اخبار و آثار معزی نوشتہ ام و اوراق اخبار عیش و عشرت او را و ہم عصران او را "قبتہ التواریخ" نام کردہ۔ معانی غزلہائے دیوانی در وصف جمال خوبرویان درج گردانیدہ" (صفحہ ۱۲۶)

سلطان معزالدین کیقباد بلبن کا پوتا تھا۔ اسکا باپ سلطان ناصرالدین بغراخاں بلبن کی وفات کے وقت بنگال میں حاکم تھا۔ اس کی عدم موجودگی میں کیقباد دہلی میں بادشاہ بنا دیا گیا۔ بعد میں باپ بیٹے میں تخت سلطنت کے لئے نزاع ہوا لیکن بالآخر صلح ہوگئی۔ اور باپ نے بیٹے کو دہلی کا بادشاہ مان لیا۔ اس تمام قصہ کو خسرو نے قران السعدین میں لکھا ہے۔ وداعی ملاقات کے وقت باپ نے اپنے نوجوان اور عیش پرست بیٹے کو نصیحتیں کیں اور عیاشیوں سے روکنا چاہا۔ کچھ دن بیٹا اپنے باپ کی نصیحتوں پر عمل کرتا رہا، لیکن بالآخر پھر عیش و عشرت کا شکار ہوگیا۔ ضیائے برنی نے دکھلایا ہے کہ کس طرح بادشاہ اس جال میں دوبارہ پھنستا چلا گیا۔

بادشاہ کے عیش و طرب کی شہرت پہلے سے چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ اطراف و جوانب ملک سے گروہا گروہ ارباب نشاط دہلی میں جمع ہوگئے تھے۔ اب جو بادشاہ کے تائب ہونیکا حال معلوم ہوا تو ایک کھلبلی مچ گئی۔ بالآخر ایک دن ایک ماہ رو شوخ و شنگ، بلائے بیدرماں اور آفت بے بدل، "قبائے زرنگاری پہنے ترکش زرانداز دو کمر سے باندھے، شیر کی دم ترکش میں لٹکائے، کلاہ شاہانہ نیمہ گوش تک سر پر رکھے، اسپ سبز خنگ دم برافراشتہ پر جو ساز ملمع سے مرصع تھا سوار زرہ ہزار میخی پہنے، چابک سوار شکار انداز کی شکل میں پرچم سیاہ گھوڑے کے سینہ پر لٹکائے" فوج سے نکلا اور گھوڑے کو کودانے پھندلانے لگا اور بادشاہ کے مقابل جا پہونچا اُس کے حسن کو دیکھکر سب مدہوش رہ گئے کوئی روک نہ سکا۔ وہ معاً گھوڑے سے اتر کر بادشاہ کے گھوڑے کے سامنے لوٹ گیا اور نہایت دلکش آواز میں یہ بیت پڑھی۔

"گر قدم بر چشم ما خواہی نہاد　　　دیدہ بر رہ می نہم تا می روی"

اور کہنے لگا "شاہجہاں اس غزل کا مطلع زیادہ مناسب حال ہے لیکن خوف شاہی سے پڑھنے کی ہمت نہیں رکھتا"

بادشاہ اُسے دیکھکر وارفتہ ہوگیا اور اُسے اجازت دیدی۔ اُس نے فوراً یہ شعر پڑھا۔

سرو سیمینا بصحرا می روی   نیک و بد عہدی کہ بے ما می روی

پھر کیا تھا، تو بہ ختم ہوئی فوراً شراب طلب ہوئی اور بادشاہ نے جام شاہی ہاتھ میں لیکر یہ شعر پڑھا۔

شب زرے تو بہ کنم از بیم نازشاہداں   بامداداں روئے ساقی باز در کار آورد

غرض اس قصہ کو کہاں تک لکھا جائے اُس پری رو نے جب بادشاہ کو والہ و شیفتہ دیکھا تو بادشاہ سے سفارش کی کہ اور بھی بہت سے میرے ساتھی ہیں جو نوازش کے منتظر ہیں انہیں بھی بار بخشا جائے۔ چشم زدن میں عیش و عشرت کا بازار گرم ہوگیا (صفحہ ۱۶۱-۱۶۵) جس کا ضیائے برنی نے ایسا نقشہ کھینچا ہے کہ واقعی قابل دید ہے:۔

"فرمان شد تا آں طائفہ را پیش آوردند۔ چوں در جمال ایشان نظر انداخت ہر یکے از یکے خوبتر و زیبا تر و نغز و شیریں تر بودند چوں در سرود و پا کوفتن در آمدند حاضران مجلس را از نظارہ آں مہوشان حور پیکر و از کرشمہ آں خوباں ماہ منظر و از نیک روئی آں سروقامتان مایہ ناز و از خنگ و آں گلعذاراں جاں نواز حیرت روئے نمود۔ و سلطان را از شوخی آں رہ ویدگان عجب آمدہ گو و از لطیفہ گفتن آں زرد باداں عربدہ جو و از پاکوفتن آں دلربایان سیمیں ساق و از رباب زدن آں جاں نوازاں نیک آواز چید پدر فراموش شد . . . . . و از زر در تسطیح بافتن آں مہ پیکراں و گرہ بازی و کعبتین غلطانیدن آں سیمبراں آشفتہ تر و مدہوش تر می شد . . . . . و در ہر منزلیکہ سراپردہ سلطانی برآوردند از ہر چہار جانب سراپچہا بانگ از خوبرویاں خوش آواز بری آمد و از صوت ناز دلنواز شاں زہرہ در سوم آسماں معلق می زد . . . . . و از زاریدن چنگ و رباب ذناشں کمانچہ و نالہ مکل و نائے و طنبور ایشاں مرغ از ہوا فرود می آمد و ہوش بدہوش می شد . . . . .

وازسرود آں سادہ پسران چہارابرو واز رقص آں پاکوباں عربدہ جو واز کرشمۂ آں پرنیکان دلربا واز غمزۂ آں پرجفایاں بے وفا خوب طبعان لشکر و سربازاں ولاور دیوانہ و عاشق می شدو در صفت آں خوباں تازہ و تر غزلہائے جدید می گفتند، و جوانان آشفتہ خوئے و آشفتگان دیوانہ رو پیراہنہا ضرب می کردند وجدہا می بریدند، و قرار و سکون از دلہائے بیدلاں می پرید و فریاد عاشقاں دل بباد دادہ بآسماں می رسید۔

وہر خرچے کہ عاشق پیشگاں بے سروپا ہاں در کیسہ ہمیان داشتند در تماشائے آں جاں نوازاں دلربا بر سر ایشاں نثار کردند و دلدادگان بے خان و ماں اسپ و سلاح و غلام و کنیزک ذخیرہ دستور می فروختند و در زیر پائے خوباں می ریختند۔ . . . مسکین عاشقاں مستمند را از غلبہ ہوائے بتان آدمی رو واز شوق لقائے سادہ پسران بدخو خواب و خور فراموش گشتہ۔ روز ہمہ روز بیہوش می بودند و شب ہمہ شب مدہوش ماندند۔

واز سخن مسخرگاں و بھنڈائی بھنڈاں (بھانڈ) و بوالعجبی بازیگران و بے شرمی نا داشتان کہ از اطراف ممالک بدرگاہ رسیدہ بودند و در اطراف سرائچہائے سلطانی بازیہا می کردند و ہنرہائے خود می نمودند و داد سخن می دادند و ناداشتی و بھنڈائی را بہ نہایت می رسانید ند از ہر طرف خندہائے قہقہہ بر می آمد و نظارگیان را حیرت رو نمود . . . . شہریاں را در ہوائے آں افتاں و در عیش آں سروقامتاں ماہ ہا صرف شد ملک ہا در گرو افتاد و خانہا و سرایہا از دست رفت و داماہا بر گردن آمد۔ و ملک زادگان دیوانہ شدند و خواجہ زادگان آشفتہ گشتند۔ ملتانی بچگان از بود و سود برافتادند و توانگر زادگان را اجلاس روئے نمود و بے خانماں شدگان راہ لکھنوتی گرفتند و عاقلاں شیدا شدند، و عالماں در معصیت افتادند، و زاہداں از تعبد دست برداشتند و عابداں در خمارخانہا گرفتند و ننگ و نام از جہاں برفت . . . . و در قبہا شراب سبیل کردہ بودند و خمہائے خمر فرو بردہ . . صفحہ ۱۶۳ (۱۶۵)

ضیائے برنی نے اپنے دیباچہ میں لکھا ہے کہ وہ ابتدائے آدم کے وقت سے لیکر اپنے عہد تک کی

تاریخ لکھنا چاہتا تھا لیکن طبقات ناصری کے ہوتے ہوئے جو اسی قسم کی عام تاریخ ہے اُس نے اس ارادہ کو ترک کر دیا اور صرف دارالملک دہلی کے آٹھ اخیر بادشاہوں کی تاریخ پر جن کی سلطنت کا بیان طبقات ناصری میں نہیں تھا اکتفا کیا۔ فیروز شاہی میں حسب ذیل سلاطین دہلی کی تاریخ ہے۔

(۱) سلطان غیاث الدین بلبن	بیس برس	(۶۶۴-۶۸۶ھ ۱۲۶۶-۱۲۸۷ء)
(۲) سلطان معزالدین کیقباد	تین برس	(۶۸۶-۶۸۹ھ ۱۲۸۷-۱۲۹۰ء)
(۳) سلطان جلال الدین خلجی	۷ برس	(۶۸۹-۶۹۵ھ ۱۲۹۰-۱۲۹۶ء)
(۴) سلطان علاء الدین خلجی	بیس برس	(۶۹۵-۷۱۵ھ ۱۲۹۶-۱۳۱۶ء)
(۵) سلطان قطب الدین مبارکشاہ خلجی	۴ برس ۴ ماہ	(۷۱۶-۷۲۰ھ ۱۳۱۶-۱۳۲۱ء)
(۶) سلطان غیاث الدین تغلق	۴ برس چند ماہ	(۷۲۰-۷۲۵ھ ۱۳۲۱-۱۳۲۵ء)
(۷) سلطان محمد بن تغلق	۲۷ برس	(۷۲۵-۷۵۲ھ ۱۳۲۵-۱۳۵۱ء)
(۸) سلطان فیروز شاہ	۶ برس (ابتدائی)	(۷۵۲-۷۵۸ھ ۱۳۵۱-۱۳۵۷ء) (صفحہ ۲۲-۲۳)

ضیائے برنی نے اپنے تاریخ کے ذرائع معلومات اس طرح بیان کئے ہیں کہ بلبن کی تاریخ اس نے اپنے باپ اور دادا سے جو اُس بادشاہ کے زمانہ میں معزز عہدوں پر فائز تھے نیز دیگر سربرآوردہ اشخاص سے جو اس کے عہد میں بڑے بڑے عہدوں پر مامور تھے سنکر لکھے ہیں:-

"آنچہ ایں ضعیف از اخبار و آثار سلطان غیاث الدین بلبن در تاریخ آوردہ است از پدر و جد خود استماع دارد و از ایشاں کہ در عہد او صاحب اشتغال خطیرہ بودہ اند کیفیت ملک داری او شنیدہ است"

(صفحہ ۲۵)

معزالدین کیقباد کی تاریخ اپنے باپ مؤید الملک اور اپنے استادوں سے سنے ہوئے واقعات کی بنا پر لکھی ہے:-

"ایں ضعیف در جلوس سلطان معزالدین کیقباد نبیسہ سلطان بلبن خرد سال بودہ است۔ و آنچہ اخبار و آثار جہانداری او دریں تاریخ بیشتر ازم از مؤیدالملک پدر خود و از استادان خود کہ علامہ

روزگار بودند سماع دارد" (صفحہ ۱۲۷)

سلطان جلال الدین خلجی کے عہد سے لیکر اخیر تک اپنی ذاتی معلومات کی بنا پر لکھا ہے ۔

"آنچہ این ضعیف در اخبار و آثار جلالی و علائی تا آخر درین تاریخ نوشتہ است، بر حکم مشاہدہ و معائنہ در قلم آوردہ" (صفحہ ۱۷۵)

اسی طرح ضیائے برنی کی کل تاریخ زبانی روایات اور ذاتی مشاہدات پر مبنی ہے ۔ اُس نے اس کتاب کے لکھنے میں دوسری کتابوں یا معاصر مصنفوں سے نقل نہیں کی ہے ۔

اس طریق تصنیف کا اُس کی کتاب پر بین اثر پڑا ہے ۔ وہ ایک محقق مدقق کی طرح پر جس نے تمام جزئیات کا کامل تفحص کیا ہوا اور ہر ہر واقعہ کے متعلق علمی تحقیقات انجام دی ہوں نہیں لکھتا، نہ وہ اپنی یا دوسروں کی تحریری یادداشتیں نہیں رکھتا ہے جس سے استفادہ کر سکے ۔ وہ ایک عام داستان گو کے طریق پر اپنی تاریخ لکھتا ہے جس کی وجہ سے اسکا بیان شگفتہ رواں اور دلچسپ ہے ۔ وہ واقعات کو بنظر مجموعی دیکھتا اور عام حیثیت سے لکھتا ہے ۔ اُس کے بیان میں اسکا انداز بہ نسبت ایک وقائع نویس کے ایک عام مورخ کا ہے جو ترتیب واقعات اور استقصائے جزئیات کے متعلق تو زیادہ فکر نہیں کرتا لیکن مجموعی اور عام تصورات کو پیش نظر رکھتا ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے تاریخ کی اس نوعیت سے بخوبی آگاہ ہے ۔ چنانچہ محمد تغلق کے عہد میں وہ لکھتا ہے :-

"من درین تاریخ کلیات مصالح جہانداری و اہمات امور ملک ذاتی سلطان محمد بنشتہ ام و تقدیم و تاخیر سر فتح ماول و آخر ہر سرگذشتے و فتنہ و حادثہ نظر نینداختہ و ترتیب و نسق مراعات ننمودہ کہ اہل دانش را از مطالعہ کلیات مصالح جہانداری و اہمات امور ملک رانی اعتبار حاصل شدنی است . . . . ." (صفحہ ۴۶۸)

ضیائے برنی کے اس انداز بیان اور طریق تاریخ نگاری کا یہ نتیجہ ہے کہ وہ باوجود راستباز ہونے کے جابجا غلطیاں کر گیا ہے ۔ وہ اپنی تاریخ میں تاریخوں اور سنین کو بہت کم لکھتا ہے اور غالباً جو سنین و تواریخ لکھی ہیں وہ زبانی یادداشت سے لکھی گئی ہیں اسی وجہ سے سنین اور واقعات کی ترتیب میں جابجا اُس کے بیانات غلط ہیں ۔ بعض واقعات کے متعلق اُس کی اطلاعات بہت تھوڑی اور برائے نام ہیں ۔ بعض واقعات جو لکھے

جانے کے قابل تھے نظر انداز ہوگئے ہیں۔ اُس نے تاریخ کا اصلی مقصد بجائے صحت و ترتیب واقعات کے محض علمی یعنی اخلاق آموزی قرار دیا ہے۔ اگر بجائے زبانی اطلاعات اور ذاتی معلومات پر اکتفا کر لینے کے وہ علمی تفحص اور تحقیقات سے بھی کام لیتا تو وہ ان نقائص سے بڑی حد تک محفوظ رہ سکتا۔ یہ سچ ہے کہ اُس کے سامنے ایسی کتابیں نہ تھیں جو صحیح معنی میں اس دور کی تاریخیں کہی جا سکتیں لیکن معاصر مصنفین کی ایسی کتابیں موجود تھیں جن سے استفادہ کر کے واقعات کی تصحیح ہو سکتی اور مزید معلومات بہم پہنچ سکتی تھیں۔ خود اس کے دوست خسرو کی کتابیں بلبن کے عہد سے لیکر غیاث الدین تغلق کے وقت تک کارآمد ہو سکتی تھیں۔ اس کے علاوہ بعض دیگر مصنفین مثلاً کبیر الدین عراقی مصنف فتحنامہائے علائی (صفحہ ۱۴) سے وہ مدد لے سکتا تھا لیکن اُس نے اس طرف کبھی توجہ نہیں کی جو افسوسناک ہے۔ خسرو کے علاوہ دیگر مصنفین عہد کی کتابیں بالعموم تلف ہو چکی ہیں اور جو سہولت ضیائے برنی کو ہو سکتی تھی وہ اب مفقود ہے۔

ضیائے برنی کی ہر قسم کی غلطیوں اور کمیوں کو بالتفصیل بیان کرنیکا یہ موقع نہیں ہے اس بحث کو ہم اُس کتاب کے لئے محفوظ رکھتے ہیں جس کا ہم نے اس مضمون کے تمہید میں ذکر کیا ہے۔ محض مثال کے طور پر چند باتیں لکھے دیتے ہیں۔ بلبن کا سنہ جلوس اس نے ۶۶۲ھ بتایا ہے، حالانکہ صحیح ۶۶۴ھ ہے کیقباد کا ۶۸۵ھ لکھا ہے حالانکہ صحیح ۶۸۶ھ ہے، جلال الدین خلجی کا ۶۸۸ھ لکھا ہے، حالانکہ صحیح ۶۸۹ھ ہے۔ اُس نے عہد علائی کی فتوحات دکن کو جو اُس عہد کی تاریخ کا ایک نہایت اہم اور دلچسپ حصہ ہیں چند الفاظ میں بیان کر کے چھوڑ دیا ہے۔ اُس نے اسی عہد کے مغلوں کے تمام حملوں کا ذکر نہیں کیا۔ محمد تغلق کے عہد کے واقعات میں بڑی بے ترتیبی اور غلطیاں پائی جاتی ہیں جن کی تصحیح ابن بطوطہ کے بیانات سے ہو جاتی ہے (دیکھو دیباچہ انگریزی ترجمہ سفرنامہ ابن بطوطہ جلد دوم مترجمہ خانصاحب مولوی محمد حسین مرحوم مطبوعہ دار الاشاعت پنجاب صفحہ ۱۸۹۸) بلبن کا عہد پورے ''ریر جانچے جانے کے قابل ہے۔

ضیائے برنی جیسا کہ ہم پہلے بھی دیکھ چکے ہیں تاریخ کو علمی فوائد کا آلہ بنانا چاہتا ہے۔ وہ تاریخ کو تجربہ، اور مواعظ و عبرت کا خزانہ سمجھتا ہے اُسکا میلان وعظ گوئی اور پند آموزی کیطرف ہے۔ وہ جابجا وصایا اور نصائح کے بیان میں دلچسپی لیتا ہے (دیکھو وصایائے بلبن صفحہ ۶۹-۸۰ و ۹۵-۱۰۲ و وصایائے سلطان ناصر الدین

بغراخاں پسر بلبن صفحہ ۱۵۲-۱۵۶۔ نصائح قاضی مغیث الدین سلطان علاء الدین صفحہ ۲۸۹-۲۹۲) ان نصائح میں ملک داری اور احکام سلطنت کے طریقوں کو بیان کیا گیا ہے، جو اُس زمانہ کے فلسفہ سیاسیات اور اُسکے نظریوں کو بتلاتے ہیں۔ ہمارے خیال میں یہ اکثر پند و نصائح جو اُن اشخاص کی طرف منسوب کئے گئے ہیں اُن تقریروں کی طرح جو یونانی مورخ تھیوکی ڈائیڈس (   ) نے یونان کے مشاہیر کیطرف منسوب کئے ہیں، بہ نسبت صحیح تاریخی واقعات ہونے کے زیادہ تر فرضی ہیں، اگرچہ وہ ان لوگوں کے اخلاقی، سیاسی اور تمدنی تصورات اور اُس عہد کے متداول خیالات کو صحیح طور پر ظاہر کرتے ہیں۔ اخلاقی حیثیت سے سب سے زیادہ جو چیز اُسے غور کرنے اور عبرت کا درس دینے کیطرف مائل کرتی ہے وہ انقلابات تاج و تخت ہیں۔ ایسے موقعوں پر وہ کائنات پر ایک حکیمانہ نظر ڈالتے ہوئے دنیا کی بے ثباتی دکھاتا ہے اور بعض اوقات اُسکا بیان شاعرانہ لطف حاصل کر لیتا ہے۔ جلال الدین خلجی بلبن کے محل "کوشک لعل" میں تخت نشینی کے لئے آتا ہے۔ اُس وقت اُسے بلبن کا عہد اور اُسکا جاہ و جلال یاد آتا ہے جبکہ جلال الدین ایک معمولی امیر کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہ اصطبل کے قریب فوراً گھوڑے سے اتر پڑتا ہے اور محل میں پہنچ کر وہ اپنے امراء کو مخاطب کر کے اس طرح بیان کرتا ہے:۔

"و مرا ایں زمان دہم چنیں وہم افتاد کہ سلطان بلبن در دل ایں کوشک بر تخت نشستہ است و بار دادہ و من پیش او می روم و من ایں پادشاہ را درون ایں کوشک بسیار خدمت کردہ ام و مرا دل می زند۔ وہیبت و حشمت ہنوز از دل من تر نسہ است"

اس کے بعد سلطان جلال الدین اُس جگہ جہاں بلبن کے امراء بیٹھا کرتے تھے جا بیٹھتا ہے اور قبل اس کے کہ کسی سے بات کرے دستار کے پلہ کو آنکھوں پر رکھکر زار زار روتا ہے اور کہتا ہے:۔

"پادشاہی ہمہ فریب و نمایش است، واگرچہ بیرون نقش و نگار می نماید ولیکن درون زار زار است ۰۰۰۰ ایں زبان از روئے تجربہ می اندیشم کہ آنچناں پادشاہے کہ سلطان بلبن بود چہل سال در رخائی و پادشاہی ملک راند و آنچناں پسران شایستہ و برادر زادگان نامور و ارکان ملک و مملکت و بندگان و بزرگان با چنداں حشمت و عظمت داشت کہ بیخ ہر یکے از اعوان دولت

او باب رسیدہ بود و ہیچ کدامی از شریکان ومخالفان ومزاحمان در ملک او نماندہ وسہ سال بیش نیست
کہ او نقل کردہ است و بر تخت او نبیسہ او نشستہ است ایں زمان دریں جمع نظر می کنم بجز سہ
چہار کس ازاں جمع نمی بینم وازچنداں کوکبہ و دبدبہ وانبوہے کسے در نظر نمی آید . . . . . .
برآں چناں پادشاہے قاہرے کامگارے فراجدان پادشاہی نماند وبفرزندان او چنانچہ
باید نہ رسید رما چہ گونہ خواہد وبفرزندان ما چگونہ بمیراث خواہد رسید . . . کسیکہ بملک می رسد
بیک دادخود را وفرزندان خود را وخیل وتبع خود را درمی بازد" (صفحہ ۱۷۸ - ۱۸۰)

اُن کوتاہیوں کے باوجود جو ضیائے برنی میں پائی جاتی ہیں وہ اُس عہد کے لئے ایک ناگزیر موقع ہے ،جس کے بغیر اُس عہد کی تاریخ کا مطالعہ مکمل نہیں ہوسکتا ۔ بحیثیت مورخ کے ہمارے خیال میں اُس کی قدر وقیمت حسب ذیل امور پر مبنی ہے ۔

(۱) وہ تین چوتھائی صدی کے لئے ایک معاصر مورخ ہے اور بقیہ ربع صدی کے لئے وہ نہایت قریبی مورخ ہے ۔

(۲) وہ حرفت اور نسبت کے لحاظ سے مورخ ہے جس نے اس فن کو اپنے لئے مخصوص کرلیا تھا اور اسوجہ سے واقعات کو مورخانہ نقطۂ نظر سے دیکھنے کا عادی تھا ۔

(۳) وہ اُس عہد کے اکثر مشاہیر اور سربرآوردہ اشخاص سے جنہوں نے اُس عہد کی تاریخ کے بنانے میں حصہ لیا اور کارہائے نمایاں انجام دئے ذاتی طور پر واقف تھا ۔

(۴) اُسکا مشاہدہ بالعموم عمدہ ہے ،اگرچہ وہ واقعات سے عام طور پر بغیر ترتیب ونسق کے بحث کرتا اور واقعہ نگار کی حیثیت سے غلطیاں کرجاتا ہے ۔

(۵) وہ راست باز اور متدین ہے اور اگرچہ اُن معتقدات اور تعصبات سے بالا نہیں ہے جو اُس زمانہ میں عام طور پر پائے جاتے ہیں اُس کے متعلق یہ اعتراض کہ اُس نے دیدہ ودانستہ کہیں غلط بیانی سے کام لیا ہے صحیح نہیں ہے بعض ناقدوں نے اُس کے بعض بیانات کو اخفائے حق سے تعبیر کیا ہے ،مثلاً اُس روایت کے بنا پر جو ابن بطوطہ نے نقل کی ہے خیال کیا گیا ہے کہ سلطان محمد نے اپنے باپ تغلق کیلئے ایک صنعت

سے تیار کئے ہوئے محل کو گروا کر اُسے مروا ڈالا۔ ہمارے خیال میں یہ روایت خالی از شبہ نہیں ہے اور اگر یہ واقعہ صحیح بھی ہو تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ضیائے برنی کو اسکا علم تھا۔ یہ سچ ہے کہ محمد تغلق اس کا مربی اور محسن تھا لیکن ضیائے برنی نے اُس کی سیرت کے بیان میں اُس کے عیوب کو نہیں چھپایا ہے۔

(۶) ضیائے برنی نے تاریخ کا جو موضوع قرار دیا ہے۔ وہ تذکرہ کے موضوع سے نہایت قریب ہے یہی وجہ ہے کہ وہ سیرت نگاری میں غیر معمولی دلچسپی لیتا اور اُس میں یدطولیٰ رکھتا ہے۔ ہمارے خیال میں اُسکی بہترین خوبی سیرت نگاری میں ہے۔ اُس دور نے بعض غیر معمولی شخصیتیں پیدا کیں مثلاً بلبن علاءالدین، محمد تغلق۔ اس کی لکھی ہوئی سیرتیں مکمل متحرک اور زندہ ہیں اور اُنکے متعلق اس کی تنقید منصفانہ ہوتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ ان میں سے بعض شخصیتیں بہت دشوار اور پیچیدہ ہیں جن کے بعض واقعات کی ضیائے برنی صحیح تعبیر نہیں کر سکا ہے مثلاً محمد تغلق کے انتظامات اور اصلاحات کی تہہ تک نہیں پہنچا۔ محمد تغلق ان لوگوں میں تھا جو اپنے زمانہ سے آگے چلتے ہیں اور جنہیں انکے معاصر صحیح طرح نہیں سمجھ سکتے۔ سکہ میں جو اُس نے تبدیلیاں کیں وہ معاشی اصول پر مبنی تھیں جنہیں اُس عہد کے لوگ نہیں سمجھ سکے۔ اسی طرح بعض انتظامات علاءالدین کے بھی صحیح طور پر نہیں سمجھے گئے۔

(۷) اُس کی کتاب کا کوئی بدل نہیں ہے۔ اس کی معلومات کی تصحیح ہو سکتی ہے اور ان میں اضافہ بھی کیا جا سکتا ہے لیکن اگر ہم تاریخ فیروز شاہی کو علیحدہ کر لیں تو اُس عہد کی پوری تاریخ مرتب نہ ہو سکے گی نہ اُس عہد کی شخصیتوں کو ہم سمجھ سکیں گے۔

(۸) با ایں ہمہ وہ ہندوستان کا سب سے پہلا ہندوستانی مورخ ہے جو بجائے خود کچھ کم موجب فخر نہیں ہے۔

———— . ————

تاریخ الامت (مکمل)

مصنفہ

مولٰنا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری

تاریخ اسلام پر یہ کتاب موجودہ تاریخ نویسی کے اصول اور تحقیق و تنقید کے ساتھ اردو میں پہلی چیز ہے۔ طلبا اور عام اہل حاجت کے لئے نہایت مفید و کارآمد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علاوہ جامعہ کے دوسرے مدارس اور کالجوں میں داخل نصاب ہے۔ زبان بہت سہل اور انداز بیان نہایت آسان و عام فہم ہے۔ آٹھ سال کی مسلسل جانفشانی کے بعد اب اپریل سنہ ۳۳ء میں ساتواں حصہ شائع کرنے کے بعد یہ تاریخ مکمل کی گئی ہے۔ تاریخ اسلام کا یہ مفید سٹ ہر کتب خانہ میں ہونا چاہئے۔

۱۔ حصہ اول۔ سیرۃ الرسول قیمت عہ مجلد ۶ر
۲۔ حصہ دوم۔ خلافت راشدہ ،، ۶ ،، ۶ر
۳۔ حصہ سوم۔ خلافت بنی امیہ ،، عہ ،، ۶ر
۴۔ حصہ چہارم۔ خلافت عباسیہ قیمت عہ مجلد ۶ر
۵۔ حصہ پنجم۔ خلافت عباسیہ بغداد ،، ۶ر ،، ۶ر
۶۔ حصہ ششم۔ خلافت عباسیہ مصر ،، ۶ ،، ۶ر
۷۔ حصہ ہفتم۔ خلافت عثمانیہ قیمت عہ مجلد عہ

نوٹ: مکمل سٹ کے خریدار کو ½ ۱۲ فیصدی رعایت۔

مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی